تہذیبوں کا تصادم ناگزیر ہے

(حَتُمِيّة صِراعُ الحَضارات)

حزب التحرير

صفر 1423ھ - **مئی** 2002ء

اردو ترجمہ: 1432ھ - 2011ء

فہرست

تہذیب کے معانی 4

تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کا مفہوم 10

تہذیبوں کے درمیان مساوات کا تصور 21

دیگر تہذیبوں کو قبول کرنے کا تصور 25

متبادل تہذیب کا تصوّر 34

تہذیبوں کے درمیان تصادم 36

تہذیبوں کے تصادم کے مختلف پہلو 53

فکری تصادم 53

اقتصادی تصادم 56

سیاسی تصادم 59

عسکری تصادم 63

تہذیبی تصادم کا انکار کرنے والوں کے شکوک وشبہات 67

اقدامی جہاد کے منکرین کے شبہات کا ردّ 78

اختتامیہ 84

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

تہذیب کے معانی

تہذیب زندگی سے متعلق مفاہیم وتصورات کے مجموعے کا نام ہے۔ ایک تہذیب یا تو الہامی اور دینی ہوگی یا پھر یہ انسان کی اپنی وضع کردہ ہوگی۔ الہامی یا دینی تہذیب کسی عقیدہ سے ماخوذ ہوتی ہے، جیسا کہ اسلامی تہذیب جو عقیدۂ اسلام سے ماخوذ ہے۔ جبکہ انسان کی وضع کردہ تہذیب یا تو انسان کے خود ساختہ عقیدہ سے ماخوذ ہوگی جیسے مغربی سرمایہ دارانہ تہذیب، جو زندگی کے بارے میں تصورات کا مجموعہ ہے، اور اس کی بنیاد دین کو دنیاوی امور سے علیحدہ کرنے کے عقیدہ پر رکھی گئی ہے؛ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان کی وضع کردہ تہذیب کی بنیاد کوئی مخصوص عقیدہ نہ ہو، جیسے شنٹو تہذیب، بابلی، یونانی اور آشوری تہذیبیں۔ ایسی تہذیبیں محض ایسے تصورات کا مجموعہ ہوتی ہیں جو ایک یا ایک سے زیادہ اقوام نے اختیار کر لیے ہوں، چنانچہ ایسی تہذیبیں وضع کردہ یا قومی تہذیبیں کہلاتی ہیں۔

یہ عین ممکن ہے کہ کسی قوم کا اپنا مذہب (دین) یا عقیدہ ہو، لیکن اس مذہب میں زندگی سے متعلق تصورات نہ پائے جاتے ہوں جیسے عیسائیت یا بدھ مذہب۔ چونکہ ان کا عقیدہ یہ تصورات نہیں دیتا لہٰذا یہ لوگ زندگی کے بارے میں مخصوص تصورات ومفاہیم پر رضامند ہوجاتے ہیں جن سے ان کی تہذیب تشکیل پاتی ہے۔ تاہم اس تہذیب کا اُن کے مذہب سے کوئی سروکار

نہیں ہوتا کیونکہ یہ تہذیب ان کے مذہب سے ماخوذ نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کا اپنا مذہب ہونے کے باوجود ان کی تہذیب دینی نہیں ہوتی۔ لہٰذا مختلف اقوام کا مختلف مذاہب رکھنے کے باوجود ایک ہی تہذیب میں مشترک ہونا ممکن ہوتا ہے، جیسے جاپانی، ہندو، سکھ، فرانسیسی؛ اگرچہ اُن کے ادیان و مذاہب مختلف ہیں تاہم اُن کی تہذیب ایک ہی ہے، یعنی سرمایہ دارانہ تہذیب۔

روزمرہ استعمال ہونے والی مادی اشیاء کسی تہذیب کا حصہ نہیں ہوتیں گو کہ وہ بعض اوقات کسی مخصوص تہذیب میں بنتی اور پروان چڑھتی ہیں۔ اِن مادی اشیاء پر جنھیں چھوا جاسکتا ہے، لفظ ''تمدن'' کا اطلاق کیا جاسکتا ہے تاکہ اِسے مفاہیم وتصورات کے اُس مجموعہ سے ممتاز کیا جاسکے جس پر ہم نے لفظ ''تہذیب'' کا اطلاق کیا ہے۔ البتہ ایسی اشیاء جو کسی مخصوص تہذیب سے پیدا ہوئی ہیں جیسے مورتیاں وغیرہ، تو پھر یہ ''مخصوص تمدن'' کا حصہ ہوتی ہیں؛ لیکن اگر یہ اشیاء سائنس و ٹیکنالوجی کی پیداوار ہیں جیسے ٹیلیویژن، میزائل، ہوائی جہاز، ٹیلیفون یا پینسلین (Penicillin) وغیرہ، تو یہ ''عام تمدن'' کے ضمن میں آتی ہیں۔ چنانچہ ایک تمدن ''خاص'' بھی ہوسکتا ہے اور ''عام'' بھی، جبکہ تہذیب صرف خاص ہی ہوتی ہے۔ اس کا خاص ہونا اُس کے مآخذ کے حوالے سے ہے۔ چنانچہ جو چیز خاص ہے، اُسے اسلام کے علاوہ کہیں اور سے اخذ کرنا جائز نہیں، البتہ جو چیز عام ہو، اسے کسی قوم سے بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

یہ نہایت ضروری ہے کہ ''تہذیب'' اور ''تمدن'' کا یہ فرق ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے اور ساتھ ہی اس فرق کو بھی مدِ نظر رکھا جائے جو کسی خاص تہذیب سے ماخوذ ''تمدن'' اور سائنس وٹیکنالوجی سے ماخوذ ''تمدن'' کے مابین ہے۔ یہ اس لیے تاکہ تمدن کو اختیار کرتے ہوئے اشیاء کے خاص اور عام ہونے کے فرق کو ملحوظِ خاطر رکھا جاسکے۔ پس مغربی تمدن کی وہ اشیاء جن کا تعلق سائنسی علوم و ٹیکنالوجی سے ہے، کو اپنانے میں کوئی قباحت نہیں، لیکن مغربی تمدن کی وہ اشیاء جو اُن کی مخصوص تہذیب کی پیداوار ہیں، اُنھیں کسی بھی حال میں اختیار کرنا جائز نہیں، کیونکہ مغربی تہذیب کی بنیاد (عقیدہ) اسلامی تہذیب سے متصادم ہے۔ ہمارا عقیدہ اُن کے عقیدے سے مختلف ہے، اُن کے

عقیدے کی بنیاد درمیانی حل (یعنی Compromise) اور دین کی دنیاوی اُمور سے علیحدگی پر ہے۔ اسی طرح ہمارے لئے زندگی کا تصور اور اعمال کے لیے پیمانہ حلال وحرام ہے جبکہ اُن کے نزدیک یہ پیمانہ نفع ونقصان ہے۔ اور ہمارے عقیدہ کے مطابق سعادت یعنی دائمی خوشی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا ہے جبکہ اُن کے نزدیک خوشی یہ ہے کہ جسمانی لذتوں کو پورا کیا جائے۔

چنانچہ بعض اشیاء کو اختیار کرنے اور بعض چیزوں کو ترک کرنے کیلئے ہمارے لئے ناگزیر ہوگا کہ ہم تہذیب اور تمدن میں فرق کو ملحوظِ خاطر رکھیں، نیز تمدنی اشیاء میں بھی یہ تمیز کریں کہ آیا یہ اشیاء اُن کی تہذیب سے ماخوذ ہیں، یا محض سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کی پیداوار ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ لفظ تہذیب کو تصورات اور تمدن کو اشیاء کے لیے کیوں استعمال کیا گیا ہے اور اس کے برعکس کیوں نہیں کیا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ عربی لغت کے اعتبار سے لفظ ''حَضَارَۃ'' (تہذیب) کے معنیٰ ''حَضَرَ'' یعنی تہذیب یافتہ علاقہ (مثلاً شہر) میں قیام کرنا ہے، اور ''حَاضِر'' وہ ہوتا ہے جو شہر یا قریہ میں قیام کرے۔ شاعر قطامی کہتا ہے:

((فَمَنْ تَكُنِ الحَضَارَةُ اَعْجَبَتْهُ فَاَيُّ رِجَالِ بَادِيَةٍ تُرَانَا))

''جو کوئی بھی شہروں میں رہنے میں خوش ہے، تو کون دیہاتی یا بدو ہمیں دیکھے گا؟''

جبکہ لفظ ''مَدَنَ'' سے مراد کسی جگہ پر قیام ہے اور ''مَدِنَ'' سے مراد شہر (مدینہ) میں پہنچ جانا ہے۔ لہٰذا تہذیب اور تمدن کے معنیٰ قریب قریب ہیں۔ پس مندرجہ بالا سوال کا جواب یہ ہے کہ لغوی طور پر لفظ حضارۃ یا تہذیب کو ایسے معانی میں استعمال کیا گیا ہے جو افکار سے متعلق ہیں، پس تہذیب کو مفاہیم وتصورات کے لیے استعمال کرنا زیادہ موزوں ہے۔ لغت **القاموس** میں آتا ہے: حَضُرَ (جس کے ض پر پیش ہو) نَدُسَ کی طرح ہے جو کہ فصیح اور دانا شخص ہوتا ہے۔ لغت **اللسان العرب** میں آتا ہے: رجل حَضْر (جس کے ض پر جزم ہو) کا معنیٰ ہے ایسا

شخص جو فصیح ہو، اور رجل حَضِر (یعنی ض کے نیچے زیر کے ساتھ) کا معنی ہے ایسا شخص جو خیر لایا ہو۔ نیز اللسان العرب ہی میں ہے کہ ''اور حدیث میں آتا ہے:<< قولوا ما یحضرکم >>، یعنی بس وہ کہو یا بیان کرو جو تمہارے پاس حاضر ہے، اور جو تمہارے پاس نہیں ہے اس کا بوجھ نہ لو''۔ لہٰذا لفظ تہذیب یا حضارۃ کو لفظ تمدن کے مقابلہ میں مفاہیم کے مجموعہ کیلئے استعمال کرنا زیادہ موزوں و مناسب ہے اور اسی طرح لفظ تمدن کو مادی اشیاء کیلئے استعمال کیا جانا زیادہ موزوں ہے۔ مزید یہ کہ اصطلاحات کے فرق اور اختلاف سے زیادہ اہم امر یہ ہے کہ مفاہیم و تصورات اور اُن سے پیدا ہونے والی مادی اشیاء کو اُن اشیاء سے علیحدہ اور مختلف سمجھا جائے جو محض سائنسی علوم، ٹیکنالوجی اور صنعت کاری کی پیداوار ہیں۔ پس پہلی قسم کو اختیار کرنا جائز نہیں جبکہ دوسری قسم کی اشیاء کو اختیار کر لینے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ انہیں اختیار کرنا جائز ہے۔

ابھی ہم نے دیکھا کہ تہذیب زندگی سے متعلق تصورات (مفاہیم) کا مجموعہ ہے، یہ یا تو دینی ہو سکتی ہے یا پھر انسان کی وضع کردہ۔ دینی تہذیب کی مثال اسلامی تہذیب ہے جبکہ انسان کی اپنی وضع کردہ تہذیبوں کی مثال ہندوستانی اور سرمایہ دارانہ تہذیبیں ہیں۔ اِن تہذیبوں کا وجود ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے، اسی طرح اِن تہذیبوں کے درمیان امتیاز ایک جانی مانی حقیقت ہے جس سے کوئی جھوٹا ہی انکار کر سکتا ہے۔ الہامی تہذیب کا منبع اس کے ماننے والوں کے نزدیک وحی الٰہی ہے، جبکہ انسان کی وضع کردہ تہذیب کا ماخذ اُس کے عوام ہوتے ہیں جو اُس پر متفق ہیں۔ یہی بات اُن کے درمیان فرق اور تمیز کرنے کیلئے کافی ہے۔ حتیٰ کہ اگر اِن دو ثقافتوں میں کچھ مفاہیم میں بظاہر مشابہت بھی ہو تو انہیں بھی اِن کے درمیان ایک جیسے یا یکساں (Common) مفاہیم نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ جب کسی تہذیب کو اختیار کیا جاتا ہے تو اسے اُس کی اصل (یعنی اس کے عقیدے) اور اُس کی بنیادوں کے ساتھ ہی اختیار کیا جاتا ہے جس پر وہ تہذیب قائم ہے۔ پس اگر اِن دو تہذیبوں کی بنیادیں مختلف ہوں، تو گو اُن کے درمیان بعض مفاہیم بظاہر مشترک (Common) بھی ہوں یا زندگی کے متعلق اُن کے بعض مفاہیم میں

مشابہت بھی ہوتو اس مشابہت کی کوئی قیمت یا حیثیت نہیں ہوتی۔ یہ اس لیے کیونکہ کوئی بھی مفہوم یا تصور اپنی اصل کی ہی ایک شاخ ہوتا ہے اور اُسے اس کی اصل کے بغیر اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب دونوں ہی میں مچھلی کھانا، اُون پہننا، انفرادی ملکیت، خواتین کو نمائندہ بنانا، حاکموں کا محاسبہ کیا جانا اور طبی علاج کرانا جائز تسلیم کیا جاتا ہے۔ البتہ اِنھیں اختیار کرنا تب ہی اسلامی تہذیب کو اختیار کرنے کے مترادف مانا جائے گا جب اِنھیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی سمجھ کر اختیار کیا جائے کہ یہ شریعت کا حصہ ہیں، جبکہ مغرب کی سرمایہ دارانہ تہذیب میں اِنھیں اپنے مفاد کے تحت اختیار کیا جاتا ہے، یا اس لیے کہ اُن کی عقل اسے بہتر سمجھتی ہے۔ چنانچہ اگر ایک مسلمان اِنھیں اپنے مفاد میں بہتر سمجھ کر یا اپنی عقل سے اچھا سمجھ کر اختیار کرتا ہے، تو یہ طرزِ عمل اسلام کو اختیار کرنا نہیں مانا جاسکتا۔

مختلف تہذیبوں کے مابین اختلاف ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، یہاں ہماری بحث اس سے متعلق ہے کہ اسلامی تہذیب اور دیگر تہذیبوں، خاص طور پر سرمایہ دارانہ تہذیب، میں کیا فرق اور اختلاف ہے۔ نیز ہم یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ اس اختلاف کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں، مثال کے طور پر، تطبیق کی غرض سے آپسی مکالمہ، یا تصادم (Clash)، یا پھر ایک عالمی ثقافت کے وجود میں آنے کا امکان؟ پھر مزید یہ کہ اس تصادم کی کیا شکل اور کتنی قسمیں ہونگی؟ کیا یہ تصادم ختم ہوگا یا کم از کم چھپا رہے گا؟ یا یہ کہ کوئی ایک تہذیب دوسری تہذیب پر حاوی ہو جائے گی؟ جو لوگ بین المذاہب مکالمہ (Inter-faith Dialogue) کی طرف بلاتے ہیں اس سے اُن لوگوں کی کیا مراد اور مقصد ہے؟ ایسے مکالمہ کے بارے میں صحیح موقف کیا ہوگا؟ اور مذاہب اور تہذیبوں میں کیا فرق ہے؟ اور ان کے علاوہ کئی دوسرے مسائل۔

مذاہب کی دو اقسام ہوتی ہیں: ایک وہ مذہب جس میں سے ایک تہذیب جنم لیتی ہو یعنی زندگی کے متعلق افکار و مفاہیم کا ایک جامع مجموعہ ہو، جیسے دینِ اسلام۔ دوم، ایک ایسا مذہب جس سے کوئی مخصوص تہذیب نہ نکلتی ہے یعنی اِس میں زندگی سے متعلق مفاہیم و افکار کا کوئی مجموعہ

موجود نہ ہو، مثلاً عیسائی مذہب۔ گو کہ اس میں ''چوری نہ کرنا'' اور ''بدکاری نہ کرنا'' جیسی اچھی باتیں موجود ہیں، تاہم زندگی کے ہر پہلو سے متعلق افکار و مفاہیم کا کوئی مجموعہ موجود نہیں ہے، لہٰذا عیسائیت ایسے مذاہب کی ایک اچھی مثال ہے جن سے کوئی مخصوص تہذیب نہیں پھوٹتی۔

مغرب کی سرمایہ دارانہ تہذیب عیسائیت سے ماخوذ نہیں ہے گو کہ یہ تہذیب اُن ممالک میں پیدا ہوئی جہاں کی غالب اکثریت عیسائیوں کی ہے۔ لہٰذا اسلام اور عیسائیت کے مابین مکالمہ، تصادم یا کسی قسم کا اشتراک، اور اسلام اور سرمایہ دارانہ تہذیب کے مابین مکالمہ یا تصادم، یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں۔

تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کا مفہوم

ہم جب مکالمے یا تصادم کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ اس میں ایک طرف مسلمان اپنے دین اور تہذیب سمیت ایک طرف ہیں جبکہ عیسائی اپنے مذہب سمیت اور سرمایہ دار اپنی تہذیب سمیت دوسری طرف ہیں۔ اس میں سرمایہ دارانہ تہذیب کے سرغنوں اور اُن کے مفکرین کی سازشی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اسلام کو اس کے ماننے والوں سے جدا کر دیں یعنی اسلام کو مسلمانوں سے الگ کریں۔ پس وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام تو عظیم ہے لیکن مسلمان مختلف انواع کے ہیں اور اِن میں سے بعض دہشت گرد ہیں۔ درحقیقت یہ اسلام کے تئیں اپنے نظریہ میں جھوٹے ہیں، ورنہ اگر وہ واقعی اسلام کو عظیم سمجھتے ہیں تو وہ اسے قبول کیوں نہیں کر لیتے؟ حقیقتاً یہ مسلمانوں کی ناسمجھی سے فائدہ اُٹھا کر اُنھیں دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ جب وہ مسلمانوں کے کسی گروہ پر حملہ کرتے ہیں تو وہ مسلمانوں کی اسی ناسمجھی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی دشمنی کا اثر زائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی حکمتِ عملی کو کام میں لا کر کے وہ اپنی تہذیب کے افکار و تصورات مسلمانوں کے درمیان پھیلاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے نفوس میں اسلامی عقیدہ آج بھی زندہ ہے اور اُن کی اکثریت میں یہ عقیدہ قوی ہے، لہٰذا اگر وہ اپنی اسلام دشمنی کا بے دھڑک مظاہرہ کریں گے، تو اِس سے مسلمان اُن کے خلاف بھڑک اُٹھیں گے۔ اسی سبب یہ لوگ پُر فریب الفاظ کا سہارا لیتے ہیں تاکہ مسلمانوں کا شعور بیدار نہ ہو اور وہ اِنھیں دھوکہ میں

مبتلا رکھیں۔ بعض مسلمان اُن کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کر ایسے مکالمہ کو اسی انداز میں قبول بھی کر لیتے ہیں جس انداز میں اسے عیسائی، سرمایہ دار اور اُن کے فکری ایجنٹ پیش کرتے ہیں۔ اس مکالمہ کی تعریف کرتے ہوئے وہ تین امور پر خاص توجہ دیتے ہیں: اول یہ کہ تمام مذاہب اور تہذیبیں مساوی ہیں اور اُن کے درمیان ایک کو دوسرے پر کسی قسم کی فوقیت، برتری یا ترجیح حاصل نہیں۔ دوم یہ کہ یہ مکالمہ دوسروں کی آراء جاننے تک ہی محدود ہے نہ کہ دوسروں کی آراء کو رد کرنا یا ان کے باطل پن کو ثابت کرنا۔ تیسرا یہ کہ دو مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان مشترکہ امور پر مشتمل ایک متبادل تہذیب کو جنم دینا۔

یہ اُن کے نزدیک اِس مکالمے یا گفتگو کا تصور ہے۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اِس کا فائدہ یہ ہے کہ ''ثقافتی خصوصیات کے تعمیری تفاعُل (interaction) کے ذریعہ سے ایک برتر اور اعلیٰ تہذیب کو جنم دینا جو مساوی سطح پر دوسری تہذیبوں کو قبول کرنے کی دعوت دے۔'' (یہ مقصد ڈاکٹر میلا دحنا نے قاہرہ میں 2 اپریل 2001 کو ایک ثقافتی سیمینار میں پیش کیا)۔ اور اسلامی یونیورسٹیوں کی تنظیم کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر جعفر عبدالسَّلام کے الفاظ میں: ''جب بھی تہذیبیں اپنے اور انسانوں کے درمیان مشترکہ چیزوں کو تلاش کرتی ہیں، تو تہذیبیں آگے بڑھتی ہیں، پھلتی پھولتی ہیں اور امن وسلامتی پھیلتی ہے۔'' اُن میں سے ایک نے تو یہاں تک کہہ دیا: ''اسلام ایسا دین ہے جو آپسی تفاعل (interaction) کو پسند کرتا ہے اور یہ ارتقاء کا دین ہے نہ کہ ابہام اور تنہائی پسندی کا دین، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ اور اسلام اور مسلمانوں کا سنہری دور وہ تھا جب اسلامی ثقافت دنیا کی دیگر تہذیبوں سے تفاعل (interact) کر رہی تھی اور اسلام پھیل رہا تھا اور دوسری ثقافتوں سے اخذ وقبول کرنے کیلئے اس میں گنجائش تھی اور یہ اپنا ورثہ وتہذیب بھی دوسری تہذیبوں کو دے رہا تھا، یہ اسلامی ریاست کا سنہری دور تھا۔'' ڈاکٹر قاسم جعفر نے 29 ستمبر 2001 کو الجزیرۃ ٹیلی وژن چینل پر ایک سٹڈی سرکل بعنوان ''صدی کی پہلی جنگ'' کے سلسلے میں ایک تقریر کی جس کا عنوان تھا، ''کیا امریکی دھما کے ثقافتوں کے درمیان مکالمے وگفتگو

کیلئے راہ ہموار کریں گے یا تصادم کیلئے؟''۔ وہ کہتے ہیں: ''ہمیں بحیثیت عرب اور مسلمان اس مسئلہ سے دوری اختیار کر لینی چاہئے... ہمیں اپنے اوپر، اپنی تہذیب، تاریخ اور ورثہ پر اس قدر اعتماد ہونا چاہئے کہ ہم دنیا کے ساتھ ہم پلہ ہو کر آگے نکل سکیں نہ کہ اُن کے پیروکار بن کر۔'' سیاسی علوم کے ماہر عمرو عبدالکریم (IslamOnline.net) پر کہتے ہیں: ''اسلامی ثقافت دیگر تہذیبوں کے ساتھ مشترکہ امور پر قائم تھی، لہٰذا اس نے دوسری تہذیبوں کو قبول کیا اور اُن کے ساتھ تفاعل کے دوران ان سے لینا اور دینا جاری رہا۔'' الجزیرہ کے درج بالا سٹڈی سرکل میں ایک اور مقرر، عطاء اللہ مہاجرانی، جو صدرِ ایران کے مشیر برائے تہذیبی مکالمہ ہیں، نے اپنی تقریر کے دوران تہذیبوں کے مابین مکالمہ کی حمایت میں قرآن حکیم سے استدلال پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''ہماری کتاب یعنی قرآن مجید دوسروں سے مکالمہ آرائی پر زور دیتی ہے یعنی مشرکین سے،

﴿وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ﴾

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔'' (التوبہ:6)

اور کافروں سے،

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾

''کہہ دیجئے: اے کافرو'' (الکافرون:1)

اور زمانے کے موجودہ سرکاری مذاہب سے،

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا﴾

''کہو، اے اہلِ کتاب، ہمارے اور اپنے درمیان ایک سیدھی یکساں بات کی طرف آؤ: یہ کہ ہم اللہ

کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور نہ اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ آپس میں ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ سے ہٹ کر رب بنائے۔'' (آل العمران:64)

یعنی ان کے ساتھ برابری کی حیثیت سے گفتگو ہو۔ میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ دائمی نوعیت کے تصادم کی بات کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی قرآنی آیت کی طرف اشارہ کیا:

﴿تَعَالُوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ﴾

''ہمارے اور اپنے درمیان کی ایک سیدھی یکساں بات کی طرف آؤ'' (آل العمران:64)

اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر اقوام سے مکالمہ کریں۔ کیوں؟ تاکہ ہم اپنے درمیان امورِ مشترک پر آجائیں نہ کہ مکالمہ اس لئے ہو کہ انہیں اپنی بات کی طرف لے آئیں۔'' (عطاء اللہ مہاجرانی، صدرِ ایران کے مشیر برائے تہذیبی مکالمہ)

جبکہ دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو مختلف مذاہب کے درمیان مشترکہ امور پر گفتگو کیے جانے اور اُن کے مابین اختلافی معاملات میں خاموشی اختیار کرنے کی وکالت کرتے ہیں، اس سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس تصادم سے لاتعلق رکھا جائے۔ اپنی اس کاوش میں وہ ''آلِ ابراہیم علیہ السلام'' کا پرچار کرتے ہیں تاکہ اِن تینوں مذاہب کے مابین گفتگو کو تقویت ملے کیونکہ اِن تینوں مذاہب کے ماننے والے اپنی نسبت ایک ہی جدِّ امجد یعنی ابراہیم علیہ السلام سے جوڑتے ہیں۔ بعض مسلمان اِس کے ثبوت کے طور پر قرآن حکیم کی اِن آیات کو استعمال کرتے ہیں جن میں درج ہے کہ انبیاء مسلمان ہی تھے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نوح علیہ السلام کا یہ قول دہرایا ہے:

﴿وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾

''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے بڑھ کر مسلم میں خود بنوں'' (الزمر:12)

اور ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ قول:

﴿رَبَّنَا وَ جْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾

''ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرمابردار (مسلمان) بنا اور ہماری اولاد میں سے اپنی ایک فرمابردار امت بنا'' (البقرۃ:128)

اور لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں:

﴿فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾

''اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا'' (الذاریات:36)

اور عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا یہ قول:

﴿وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾

''اور گواہ رہئے کہ ہم مسلمان ہیں'' (آل عمران:52)

ان سب کے بعد کوئی بعید نہیں کہ کچھ لوگ یہ بھی دعویٰ کر دیں کہ عیسائی اور یہودی دراصل مسلمان ہی ہیں۔ اس حد تک تو بات آ ہی چکی ہے کہ بقول کچھ لوگوں کے اِن تینوں مذاہب کے ماننے والے اہلِ ایمان ہیں! جبکہ اس ضمن میں وارد نصوص قرآنی قطعی الثبوت بھی ہیں اور قطعی الدلالہ بھی (یعنی اُن کے ایک ہی معانی ہیں) جن میں یہود و نصاریٰ کے ایمان کی نفی کی گئی ہے، مثلاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ أَن يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاًO أُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقّاً وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَاباً مُّهِيْناً﴾

''جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں کے متعلق کفر کی روش اختیار کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے

رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں، اور اس خواہش میں کہ درمیان کی کوئی راہ اختیار کریں، کہتے ہیں کہ ''ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے''۔ یہی لوگ سچے کافر ہیں اور ایسے کافروں کیلئے ہم نے رُسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (النساء: 151-150)

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُO رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفاً مُّطَهَّرَةً﴾

''اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ کفر سے باز رہنے والے نہیں، یہاں تک کہ اِن کے پاس دلیل روشن آ جائے، اللہ کی طرف سے ایک رسول، پاکیزہ اوراق کو پڑھتا ہوا'' (البینہ: 2-1)

اور:

﴿قُلْ يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰه وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ﴾

''کہو، اے اہلِ کتاب! تم کیوں اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہو اور اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔'' (آل العمران: 98)

اور:

﴿وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُواْ وَاخْتَلَفُواْ مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُوْلَـئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْم﴾

''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو متفرق ہو گئے اور کھلی نشانیاں آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قیامت کے دن بڑا عذاب ہوگا'' (آل العمران: 105)

اور:

﴿يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَأَنتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾

''اے اہل کتاب، تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو جبکہ تم خود گواہ ہو؟'' (آل العمران:70)

اور:

﴿وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَاناً عَظِيْماً﴾

''اور ان کے کفر اور انکار کی وجہ سے اور مریمؑ کے خلاف ایسی باتیں کہنے پر جو ایک بھاری بہتان تھا'' (النساء:156)

اور:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلاثَةٍ﴾

''یقیناً اُنھوں نے کفر کا ارتکاب کیا جنھوں نے کہا، ''اللہ تین میں سے تیسرا ہے'' (المائدۃ:73)

اور:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَلاَ يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ﴾

''وہ اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی روزِ آخر پر اور نہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ دینِ حق کی پیروی کرتے ہیں، ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ اقتدار سے دست بردار ہو کر اور چھوٹے (ماتحت) بن کر جزیہ دینے لگیں'' (التوبہ:29)

اور:

﴿هُوَ الَّذِىْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ﴾

''وہی ہے جس نے اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر اختیار کیا ان کے گھروں سے حشرِ اول کے وقت نکال باہر کیا'' (الحشر:2)

لہٰذا یہ لوگ کفار اور غیر مسلم ہی ہیں اور اُنھیں مسلم کہنا جائز نہیں۔ اسلام کے لغوی معنی خود کو سپرد کرنے (یعنی انقیاد) کے ہیں جبکہ شرعی اصطلاح کے طور پر اسلام کے معنی ہیں: وہ دین جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ گو کہ لفظ ''اسلام'' کا اطلاق لغوی معنوں کے اعتبار سے تمام سابقہ انبیاء کرام علیہم السّلام اور اُن لوگوں پر جو محمد ﷺ کی بعثت سے قبل اور اپنی کتابوں میں تحریف سے قبل تک اُن سابقہ انبیاء کرام علیہم السّلام پر ایمان لائے اور اُن کی پیروی کرتے رہے، پر کیا جاسکتا ہے، تاہم محمد ﷺ کی بعثت کے بعد سے اس کا اطلاق جائز نہیں۔ لہٰذا جو کوئی محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کی شریعت پر ایمان نہ لائے اُس کو ایمان والا یا مسلمان کہنا جائز نہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ﴾

''اور جنھیں کتاب ملی تھی اور جن کے پاس کتاب نہیں ان سے کہو کہ ''کیا تم بھی اسلام کو اختیار کرتے ہو''؟ پھر اگر وہ اسلام کو اختیار کرلیں تو ہدایت یاب ہوئے؛ اور اگر منہ پھیر لیں تو تم پر ذمہ داری صرف پہنچا دینے کی ہے؛ آگے اللہ خود اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے'' (آل العمران:20)

مسلم اور احمد نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

((والذي نفس محمد بيده لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار))

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، اس امت کا کوئی یہودی یا عیسائی ایسا نہ ہوگا جو میرے بارے میں سنے اور پھر اس پر ایمان لائے بغیر مر جائے جو میرے ساتھ بھیجا گیا ہے، سوائے اس کے کہ وہ (آخرت میں) اہل جہنم میں سے ہوگا۔''

ابن حبان نے انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل کی ہے کہ جب قیصرِ روم نے رسول اللہ ﷺ

کو مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ ''میں مسلمان ہوں''، تو آپ ﷺ نے یہ پڑھ کر فرمایا:

((كذب عدو الله ليس بمسلم وهو على النصرانية))

''اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا ہے، وہ مسلمان نہیں ہے بلکہ وہ نصرانیت پر ہے۔''

عرب لیگ کے سکریٹری جنرل عمرو موسیٰ نے واضح کیا کہ وہ نہیں مانتے کہ کوئی ایک تہذیب کسی بھی دوسری تہذیب سے بہتر ہے۔ اس کے سیدھے معانی یہ ہوئے کہ اسلامی تہذیب سرمایہ دارانہ، ہندو یا یہودی تہذیب سے بہتر نہیں۔ عمرو موسیٰ نے اِٹلی کے وزیراعظم برلیسکونی کے بیان کے رد میں جواباً کہا: ''ہم نہیں مانتے کہ کوئی تہذیب (کسی اور سے) بہتر ہے۔'' ان میں سے ایک شخص نے سورۂ کہف کی آیات کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی کہ دوسری تہذیبوں کو بغیر کسی قید یا شرط کے، بنا اُن کے خلاف اپنی آراء پیش کیے ہوئے، اُن کی اپنی شکل میں تسلیم کرنا چاہیے، وہ کہتا ہے:

> ''بین المذاہب گفت وشنید ایسے فرد کی کاوش ہے جو رواج، افکار اور عقائد کی اقدار کو تھامے ہوئے ہے اور دیگر مذاہب کے عقیدے کو سمجھنا چاہتا ہے تاکہ اُس کے اندر اُن عقائد کے فلسفہ کا فہم واضح ہو، نیز وہ یہ کوشش نہیں کرتا کہ وہ دیگر عقائد پر اپنی ذاتی رائے کا حکم نافذ کرے... بین المذاہب گفت وشنید کے حمایتی نیک نیتی کی بات کرتے ہیں، لہٰذا ایسا فرد اِس کاوش کو تمام دوسرے اہداف وشرائط سے دور رکھ کر محض ایک مقصد کو مدنظر رکھتا ہے یعنی دوسرے کو سمجھنے کا اور اس کو فکری نظر سے دیکھنے کا مقصد۔ اصولاً مکالمہ کا مواد (content) اُس قصہ سے مختلف نہیں جو قرآن حکیم کی سورۂ کہف (آیت 32 تا 42) میں دو اشخاص کے مابین مکالمہ کے بارے میں آیا ہے۔ ان میں سے ایک کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انگور کے دو باغات سے نوازا جو کھجور کے

درختوں سے گھرے ہوئے تھے، درمیان میں فصلیں لگی تھی، جن میں نہریں بہہ رہی تھی۔ اس شخص کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مال اور اولاد میں دوسرے شخص پر فضیلت عطا کر رکھی تھی۔ اس قصہ سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں کے مکالمہ میں کوئی قیود وشرائط نہیں تھی، اور اس قصہ کو قرآن نے پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اگر چہ ان میں سے ایک شخص کی جانب سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا انکار ہے لیکن اس کے سبب دوسرا شخص اُس سے گفتگو منقطع نہیں کرتا۔ نیز قرآن حکیم نے اس گفتگو کے کفریہ کلمات بیان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا کیونکہ مجموعی طور پر اس گفتگو سے ایسی شخصیت کی تصویر کشی کی جاسکتی ہے اور اس کا فہم حاصل ہوتا ہے جو اللہ عزوجل کا انکار کر رہی ہے۔ بین المذاہب مکالمہ مذاہب کے تقابل اور موازنہ سے، نیز مذاہب کے درمیان مقابلہ آرائی سے مختلف ہے گو کہ ادب میں یہ تصورات مخلوط کر دئے گئے ہیں۔ مذاہب کا تقابل ایک ایسا علم ہے جس میں ایک مذہب کا دوسرے مذہب کے مقابلہ میں اُس کے عقیدے، اُس کی شریعت، عبادات، انسان، کائنات اور حیات کے بارے میں تصور وغیرہ کے لحاظ سے، بنا کسی طے شدہ مقصد کے غیر جانب داری سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جبکہ مذاہب کے درمیان مقابلہ آرائی ایک ایسا عمل ہے جس کا ہدف ومقصد ایک مذہب کی دوسرے پر فوقیت اور امتیاز کو ثابت کرنا ہے۔ اس کے برعکس بین المذاہب مکالمہ کا مقصد یہ نہیں ہوتا، بین المذاہب مکالمہ محض اُن مذاہب کا فہم حاصل کرنا ہوتا ہے۔ (حسام طمام، ایک مصری صحافی ومحقق، بموضوع ''بین المذاہب مکالمہ: ایک ضرورت یا عالمی سازش'' - IslamOnline.net)

''مذہبی مکالمے'' کے حامی اِس اصطلاح سے کیا مراد لیتے ہیں اس کو پوری طرح سمجھنے

کیلئے اُن کے ہی اقوال کونقل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اُنہی کی فنی اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح کو صحیح طور سے سمجھنے کیلئے اس کے لغوی معانی کو لینا درست نہیں بلکہ اُن کے اپنے اقوال اورتحریر ہی سے اس فنی اصطلاح کا مفہوم واضح ہوسکتا ہے۔ اِن تمام تحریروں اوراقوال پر مجموعی نظر ڈالنے سے اس اصطلاح کے جومعانی سامنے آتے ہیں اُنھیں یوں واضح کیا جاسکتا ہے:

1۔ مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان برابری اور مساوات اور ایک مذہب یا تہذیب کو کسی دوسرے پر کسی قسم کی ترجیح نہ دینا۔

2۔ دوسرے مذہب یا تہذیب کو جس طرح وہ ہے اُسی طرح قبول کرنا اور سمجھنا، نہ کہ اُس پر اپنی رائے سے فیصلہ صادر کرنا، بلکہ محض اس کا صحیح فہم حاصل کرنا اور اُس کے افکار کو بغیر کسی قیود وشرائط کے سمجھنا۔

3۔ تہذیبوں کے مابین اس مکالمے سے مقصود تہذیبوں کے مابین مشترک اورانسانیت کے لئے اچھے افکار ڈھونڈنا ہے جس سے ایک متبادل اور اعلیٰ و برتر تہذیب وجود پذیر ہو، جس سے تہذیبوں کی افزائش اور ترقی ہواور امن کا پھیلاؤ ہو۔ مذاہب کے مابین اس مکالمے سے مقصود اسلام کواس کشمکش کے میدان میں داخل ہونے سے باز رکھنا ہے۔

یہ تمام تصورات اسلام سے مکمل متضاد ہیں۔ اِن میں سے ایک بھی تصور ایسا نہیں جس کی اسلام سے کوئی دلیل ہو یا شبھـــہ الـدلیـل (دلیل کا شائبہ) تک ہو۔ یہ اسلام سے نہیں ہیں بلکہ تاویلی اور پُرفریب ہیں اور اِن سے اسلام کو خطرہ یقینی ہے۔

تہذیبوں کے درمیان مساوات کا تصور

تہذیبوں اور مذاہب کے درمیان مساوات کا تصور ہی کافرانہ ہے کیونکہ بالفاظِ دیگر یہ حق اور باطل کے برابر اور ہم پلہ ہونے کی دعوت ہے، دینِ حق اور تحریف شدہ ادیان نیز ایمان اور کفر، ہدایت اور گمراہی، دینِ ناسخ اور ادیان منسوخہ کے مساوی ہونے کا دعویٰ ہے؛ ایسے مفاہیم جن کا مصدر وحیٔ الٰہی ہے، یہ اُنھیں انسان کے وضع کردہ تہذیبی تصورات کے ہم پلہ لا کھڑا کرتا ہے، یعنی عقل اور نصوص کو مساوی، کتاب وسنت سے ثالثی کو طاغوت کی ثالثی کے برابر اور اِن دونوں متضاد راہنمائیوں کو مساوی بتاتا ہے۔ یہ فکر اُس ثابت شدہ کو جو انسانیت کی سراپا بھلائی ہے اور دنیا میں قائم رہے گی، اُس کے برابر لا کھڑا کرتی ہے جو مٹ جانے والی سمندر کی جھاگ کی مانند ہے۔ اس کے دلائل متعدد ہیں جن کا احاطہ محال ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾

''بلکہ ہم تو باطل پر حق کو دے مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے، پھر وہ مٹ کر رہ جاتا ہے'' (انبیاء:18)

اور فرمایا:

﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ﴾

''پھر آخر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟'' (یونس:32)

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيْدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلاَلاً بَعِيْداً﴾

''اور چاہتے ہیں کہ اپنا معاملہ طاغوت کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں جبکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کریں؟ لیکن شیطان تو انھیں گمراہی میں بھٹکا کر دور لے جانا چاہتا ہے'' (النساء:60)

اور فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین کو باقی تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ مشرکین کو ناگوار ہی گزرے'' (التوبہ::33)

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾

''جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا، تو اس کی طرف سے کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا؛ اور آخرت میں وہ گھاٹا اُٹھائے گا'' (آل العمران:85)

اور فرمایا:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ﴾

''اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف کتاب، حق کے ساتھ نازل کی ہے، جو اپنے سے پہلی کتابوں کی

تصدیق کرنے والی ہے اوران پر حاوی (منسوخ کرنے والی) ہے'' (المائدۃ:48)

اورفرمایا:

﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰـهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰـهُ الْاَمْثَالَ﴾

''اس طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔ پھر جو جھاگ ہے وہ تو سوکھ کر رائیگاں جاتا ہے اور جو کچھ لوگوں کو فائدہ پہنچانے والا ہوتا ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے'' (الرعد:17)

اورفرمایا:

﴿أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقاً لَّا يَسْتَوُنَ﴾

''بھلا جو شخص مومن ہو وہ اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو نافرمان ہو؟'' (السجدۃ:18)

اورفرمایا:

﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰـهَ يَأُوْلِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

''کہہ دو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتے اگرچہ ناپاک کی بہتات تمہیں فریفتہ ہی کرے۔ پس اے عقل والو، اللہ کا ڈر رکھو تاکہ تمہاری نجات ہو'' (المائدۃ:100)

اورفرمایا:

﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْأَعْمٰى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلاً أَفَلاَ تَذَكَّرُونَ﴾

''دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا، کیا دونوں کی حالت برابر ہو سکتی ہے؟ تو کیا تم ہوش سے کام نہیں لیتے؟'' (ھود:24)

اور فرمایا:

﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً﴾

''وہ تو چاہتے ہیں کہ جیسے انھوں نے کفر کیا، کسی طرح تم بھی کفر کر کے ان کے برابر ہو جاؤ'' (النساء:89)

کس قدر عجیب ہے اُس شخص کا حال جو اپنے اسلام میں ہونے کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن اسلام اور کفر کو مساوی سمجھتا ہے، الحاد (Atheism) و تثلیث (Trinity) کو توحید کے مساوی گردانتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو تسلیم کرنے والے اور اُس کے منکر میں فرق نہیں کرتا، سود (Interest) کے جائز ہونے اور اُس کے حرام ہونے کا امتیاز نہیں کرتا، شراب کی حرمت اور جائز ہونے کا فرق نہیں کرتا، جس کے نزدیک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت اور اُس کی مخلوق کی عبادت یکساں ہے، نکاح اور زنا جس کیلئے مساوی ہوں، ہم جنس پرستی کے جائز ہونے اور عورتوں اور مردوں کی ہم جنسی کے حرام ہونے میں جس کیلئے فرق نہ ہو اور جس کیلئے خنزیر و کھجور میں فرق نہ ہو۔ اس سے بھی زیادہ تعجب اُس پر ہے جو خاموش رہتا ہے اور فوقیت و افضلیت کے بارے میں کچھ بیان نہیں کرتا، پس وہ توحید کو شرک پر، حلال کو حرام پر، شریعت کو طاغوت پر، مومن کو کافر پر اور وحیٔ الٰہی کو انسانی وضع کردہ قوانین پر، اسلام کو دیگر ادیان پر، قرآن کو تحریف شدہ کتب پر، خالق کی عبادت کو سورج، ستاروں اور گائے کی عبادت پر افضل نہیں گردانتا۔ اس فتنہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ اس تصور کا اتباع مردود ہے، یہ مساوات نا قابلِ قبول ہیں اور اسلام کی تمام ادیان باطلہ پر فوقیت اور اسلامی تہذیب کی تمام ثقافتوں پر افضلیت کے معاملہ میں سکوت بھی نا قابلِ قبول ہے۔

دیگر تہذیبوں کو قبول کرنے کا تصور

کسی دوسرے کی بات کو محض اُس کا موقف سمجھتے ہوئے قبول کر لینا، بغیر اُس کے موقف پر اپنی رائے صادر کئے یا اُس پر تنقید و تردید کئے، کسی بھی طرح اسلام کا طریقہ نہیں ہے، اس کے برعکس کتاب اللہ کا طرز اس کے عین مخالف ہے۔ قرآن نے جب بھی کفریہ افکار و اقوال کا تذکرہ کیا ہے، اُس کے فوراً بعد اُس پر تنقید کرتے ہوئے حق کو واضح کر دیا ہے، اس کی مثالیں یوں ہیں:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَداً O لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً إِدّاًO تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدّاًO أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَداً O وَمَا يَنبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَداًO﴾

''وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنا بیٹا بنایا ہے۔ نہایت بھاری بات ہے جو تم گھڑ لائے ہو! قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ منہدم ہو جائیں۔ اس بات پر کہ اُنھوں نے رحمٰن کیلئے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا؛ جبکہ رحمٰن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اپنا کوئی بیٹا بنائے'' (مریم: 92-88)

﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَO لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا

﴿يَكُفُّوْنَ عَن وُّجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ O بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَO﴾

''وہ کہتے ہیں: یہ وعدہ کب پورا ہوگا، اگر تم سچے ہو؟ اگر کفر اختیار کرنے والے اس وقت کو جانتے جبکہ وہ نہ تو اپنے چہروں کی طرف سے آگ کو روک سکیں گے اور نہ ہی اپنی پیٹھوں کی جانب سے اور نہ انھیں کوئی مدد ہی پہنچ سکے گی تو (وہ عذاب کی جلدی نہ مچاتے) بلکہ وہ اچانک آن پر آئے گی، پھر وہ اُن کے ہوش کھو دے گی، پھر وہ نہ اسے ٹال سکیں گے اور نہ ہی انھیں مہلت ملے گی'' (انبیاء:40-38)

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰـهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنْظُرُونَ﴾

''اور یاد کرو جب تم نے کہا تھا: اے موسیٰ! ہم ایمان لانے کے نہیں جب تک اللہ کو روبرو نہ دیکھ لیں؟ تب دیکھتے ہی دیکھتے تمہیں بجلی نے آلیا'' (البقرۃ:55)

﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰـهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَ هُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ أَنبِيَاءَ اللّٰـهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ﴾

''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ اتارا ہے اس پر ایمان لاؤ، تو کہتے ہیں: ہم تو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر اترا ہے اور اس کا وہ انکار کرتے ہیں جو اس کے پیچھے ہے، حالانکہ وہ سراسر حق ہے، اس کی تصدیق میں جو ان کے پاس ہے۔ کہو، اچھا تو اس سے پہلے تم اللہ کے پیغمبروں کو قتل کیوں کرتے رہے ہو اگر تم مومن ہو؟'' (البقرۃ:91)

﴿وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُوْداً أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُواْ بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِيْنَO بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَO﴾

''اور وہ کہتے ہیں کہ سوائے یہود یا نصاریٰ کے اور کوئی جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا یہ ان کے ڈھکوسلے ہیں۔ کہو، اپنی دلیل لاؤ، اگر تم سچے ہو۔ کیوں نہیں؟ جس نے بھی اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کر دیا اور اس کا کام بھی اچھے سے ہو تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو نہ تو کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غم میں مبتلا ہوں گے'' (البقرة:112-111)

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَل لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ﴾

''اور کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ پاک ہے بلکہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے۔ سب ہی اس کے تابع فرمان ہیں'' (البقرة:116)

﴿وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

''اور کہتے ہیں یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پالو گے۔ کہو، بلکہ ہم تو ملتِ ابراہیمی پر رہیں گے جو یکسو ہو گئے تھے اور وہ اہلِ شرک میں سے نہ تھے'' (البقرة:135)

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (البقرة:258)

''کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جو حکومت پا کر ابراہیم علیہ السلام سے اس کے ربّ کے بارے میں جھگڑ رہا تھا؟ جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا ربّ تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ تو وہ بولا: میں بھی تو زندہ کرتا اور مارتا ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے کہا، اچھا! اللہ تو سورج کو مشرق سے لاتا ہے، تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ تب وہ کافر حیران رہ گیا۔ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا''

یہ آیت گوسابقہ امتوں سے متعلق ہے اور ''شرع من قبلنا'' کے ضمن میں آتی ہے، تاہم چونکہ اس کو (اَلَمْ تَرَ) یعنی ''کیا تم نے نہیں دیکھا؟'' سے شروع کیا گیا ہے، لہٰذا مسلمان بھی اس کے مخاطب ہیں۔

اور فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ قَالُوْا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ أَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرَؤُوْا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾(آل العمران:168)

''یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہنے لگے: اگر وہ ہماری بات مان لیتے، تو مارے نہ جاتے۔ کہہ دو، اچھا اگر تم سچے ہو تو اب تم اپنے اوپر سے موت کو ہٹانا''

﴿الَّذِيْنَ قَالُوْٓا إِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ إِلَيْنَآ أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جن کا کہنا ہے کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آگ کھا جائے۔ کہو، تمہارے پاس مجھ سے پہلے کتنے ہی رسول روشن نشانیاں اور وہ چیز بھی جس کیلئے تم کہہ رہے ہو، لے کر آ چکے ہیں؛ پھر اگر تم سچے ہو تو تم نے انھیں قتل کیوں کیا؟'' (آل العمران:183)

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾

''اور یہودی کہتے ہیں: اللہ کا ہاتھ بندھ گیا ہے۔ ان ہی کے ہاتھ بندھے ہیں اور لعنت ہے ان پر اس بکواس کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے'' (المائدۃ:64)

﴿سَيَقُولُ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰـهُ مَآ أَشْرَكْنَا وَلَآ آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُوْنَ﴾

''مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا ہی اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ایسے ہی ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا یہاں تک کہ انھیں ہمارے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا۔ کہہ دو کہ کیا تمہارے پاس کوئی پکا علم ہے تو وہ ہمیں دکھاؤ، بے شک تم محض گمان کی پیروی کرتے ہو اور محض رائے زنی کرتے ہو'' (الانعام:148)

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ا بْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰـهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ O اِتَّخَذُوْٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوْٓ إِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا إِلٰـهًا وَّاحِدًا لَّآ إِلٰـهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

''یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے اپنے منہ کی باتیں ہیں، یہ ان لوگوں کی بات کی نقل کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کی مار ان پر! یہ کہاں اوندھے ہوئے جا رہے ہیں۔ انھوں نے اللہ سے ہٹ کر اپنے علماء اور راہبوں کو اور مسیح ابن مریم کو اپنا ربّ بنالیا، حالانکہ انھیں اس کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے معبود کی بندگی کریں جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ جو شرک یہ کرتے ہیں اس سے وہ بلند اور پاک ہے'' (التوبہ:31-30)

﴿وَإِذَا تُتْلىٰ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰـذَآ أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَيَّ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ O قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهُ

﴿عَلَيْكُمْ وَلَآ أَدْرٰكُم بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ أَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ﴾

''اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنھیں ہم سے ملنے کی توقع نہیں، کہتے ہیں: اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ یا اس میں ترمیم کردو۔ کہہ دو کہ مجھ سے یہ نہیں ہونے کا کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو بس اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے ربّ کی نافرمانی کروں، تو اس میں مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ کہہ دو: اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی تمہیں اس سے واقف کرتا، آخر اس سے پہلے میں تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں۔ پھر کیا تم سمجھتے نہیں؟'' (یونس:16-15)

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُم بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّوْنَO وَإِذَا تُتْلىٰ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلآّ أَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِآبَآئِنَآ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِيْنَO قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لاَ رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُوْنَ﴾

''وہ کہتے ہیں وہ تو بس ہماری دنیا کی زندگی ہی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو بس زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس اس کا کوئی ٹھوس علم نہیں، وہ تو بس گمان کی بنا پر باتیں کرتے ہیں۔ اور جب ہماری واضح آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں، تو ان کی حجت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو، تو ہمارے باپ دادا کو لے آؤ۔ کہہ دو: اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے، پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہی تمہیں قیامت کے روز جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں'' (الجاثیہ: 26-24)

حتیٰ کہ سورۂ کہف کی وہ آیات جن سے اُن مقررین میں سے ایک نے استدلال کیا، اس کا انداز بھی کفریہ نظریات کی تردید سے مختلف نہیں۔ یہ مکالمہ اس نوعیت کا نہیں کہ جیسا یہ لوگ گمان کرتے

ہیں، کہ یہ محض ایک فکری عمل ہے، بلکہ قرآن کا انداز یہ ہے کہ کفریہ تصورات کو سمجھا جائے اور ان کا رد کیا جائے۔ یہ امر قرآن پاک میں واقعہ کہف کے بیان میں، اپنے ساتھی کے کفریہ قول کے بارے میں بیان کی گئی سرزنش سے واضح ہے:

﴿قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا O لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا O وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ إِن تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنكَ مَالًا وَوَلَدًا O فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّن جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا O أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا﴾

''اس کے ساتھی نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: کیا تو اس ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا، پھر تجھے ایک پورا آدمی بنایا؟ لیکن میرا ربّ تو وہی اللہ ہے اور میں کسی کو اپنے ربّ کے ساتھ شریک نہیں کرتا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا، تو نے کیوں نہ کہا جو اللہ چاہے وہ ہوتا ہے اور اللہ کی مدد کے سوا کوئی طاقت نہیں؟ اگر تو دیکھتا ہے کہ میں مال اور اولاد میں تجھ سے کمتر ہوں تو عجب نہیں کہ میرا ربّ مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کرے اور تیرے اس باغ پر آسمان سے کوئی لُو کا جھونکا بھیج دے پھر وہ صاف میدان ہو کر رہ جائے۔ یا اس کا پانی بالکل نیچے اتر جائے، پھر تو پانی کو کسی طرح ڈھونڈ کر نہ لا سکے'' (الکھف: 37-41)

لہٰذا اب یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اُس ساتھی نے اپنی رائے صادر نہیں کی جبکہ وہ تو (کیا تم اُس سے کفر کرتے ہو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے؟) کہہ کر اُس کی بات ماننے سے انکار کر رہا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ ساتھی اپنے دوست کی توجہ اُس طرف دلاتا ہے جو اُس پر لازم ہے اور کہتا ہے: ''جو اللہ چاہے، اِس کے سوا کوئی طاقت نہیں''، پھر وہ اپنے دوست پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت اور اُس کے بارش برسانے نیز پانی سے محروم کرنے کی طاقت کو واضح کرتا ہے۔ چنانچہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت بین المذاہب مکالمے کیلئے نمونہ ہے کہ دوسرے مذہب یا تہذیب کو اسی کی شکل میں اس پر

کوئی فیصلہ صادر کیے بغیر قبول کرلیا جائے!!!

پھر جہاں تک اُن لوگوں کا سوال ہے جو کفار سے مکالمے کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں:

﴿قُلْ يَآأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ O لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَO وَلَآ أَنتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ أَعْبُدُ﴾

''کہہ دو،''اے کافرو! میں اس کی عبادت نہیں کروں گا جس کی عبادت تم کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں'' (الکافرون:3-1)

یا مشرکین سے مکالمہ کیلئے اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اَسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ﴾

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کے محفوظ مقام پر پہنچا دو'' (التوبہ: 6)

تو ایسا استدلال نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی برمحل، سورۃ الکافرون درحقیقت اُن پر فیصلہ صادر کرتی ہے کہ یہ کفار ہیں اور ایمان نہ لاکر اپنے کفر پر ہی قائم رہیں گے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ ہرگز ایمان نہیں لانے والے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اِس کی خبر دی اور یہ حکم دیا کہ آپ ﷺ یہ بات کفار تک پہنچا دیں اور کفار کی اس پیشکش کو کہ ایک سال اُن کا معبود رہے اور دوسرے سال مسلمانوں کے معبود کی عبادت کی جائے، ٹھکرا دیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس خبر کے بعد کہ کفار تاحیات اپنے کفر پر قائم رہیں گے، اب اُن سے مکالمے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ یہ سورۃ مخصوص افراد کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد حق تھا، پس اُن میں سے بعض مر گئے اور بعض قتل کئے گئے اور اُن میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا۔ رہی بات اِس دوسری

آیت سے استدلال کرنے کی:

﴿وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ﴾

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے؛ پھر اسے اس کے محفوظ مقام پر پہنچا دو'' (التوبہ: 6)

اس آیت میں اِن لوگوں کے دعوے کے برخلاف برابری کی سطح پر مکالمے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس میں مکالمے ہی کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس آیت میں تو حکم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام مشرکوں کو سنایا جائے، پھر وہ یا تو ایمان لے آئیں یا اپنی محفوظ جگہ پہنچا دیئے جائیں۔ یہ اُس مشرک کی حفاظت کے بارے میں ہے جو اسلام کے بابت دریافت کرنے کا خواہشمند ہو تو اسے اسلام کی تشریح اس غرض سے پیش کی جائے کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائے۔ اس آیت میں کفار سے مساوات کی بنیاد پر محض اُن کا موقف سمجھنے کیلئے، اُس کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کئے بغیر مکالمے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس آیت میں یہ طے ہو گیا کہ وہ مشرک ہے پس اُس پر شرک کا فیصلہ صادر کیا گیا۔ اُس میں اُس کا موقف سمجھنے کیلئے کسی مکالمے کی درخواست نہیں ہے بلکہ اُس سے قرآن سننے کا مطالبہ ہے۔ لہٰذا اس آیت سے استدلال بے موقع ہے۔

متبادل تہذیب کا تصوّر

اس پر طرہ اُن کا یہ قول کہ ثقافتوں کے درمیان مکالموں سے اُن کا مقصد آپسی تفاعل و تعامل قائم کرنا ہے جس کے ذریعہ ایک متبادل اور بہتر تہذیب وجود پذیر ہو جس میں تمام ثقافتوں کے مشترکہ پہلو شامل ہوں اور جو ترقی، خوشحالی اور امن کے پھیلاؤ میں اپنا کردار ادا کرے۔ کس قدر پست استدلال ہے اس کا جو اِس تصوّر کیلئے یہ آیت پیش کرتا ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾

''کہو، ''اے اہلِ کتاب، ہمارے اور اپنے درمیان کی ایک سیدھی بات کی طرف آؤ: یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور نہ اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور سوائے اللہ کے کوئی کسی کو ربّ نہ بنائیں۔ پس اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو، گواہ رہو ہم تو مسلم ہیں'' (آل العمران: 64)

پھر وہ کہے کہ دوسروں کے ساتھ مکالمے برابری کی سطح پر ہوں اور اپنے اس قول (إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ) کی تفسیر یوں پیش کرے کہ ''جو بات ہم دونوں کے درمیان مشترک ہے'' اور اُس کا موقف

یہ ہو کہ ''ہم نہیں کہتے کہ ہم وہ مکالمہ کریں کہ ہم انہیں اپنی بات کی طرف لے کر آئیں''۔ اِس آیت سے ایسا تصور جوڑنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر بہتان تراشنا ہے کیونکہ یہاں سواء کے معنی عدل یعنی کلمہ عدل کے ہیں جو کہ اس آیت کے بعد بیان کردئے گئے ہیں۔ اس آیت کے الفاظ یا معانی (منطوق یا مفہوم) میں ایسی کوئی شئے نہیں کہ جس کے مطابق ہم اُنھیں مشترکہ باتوں کی دعوت دیں۔ یہاں اُس شخص کا قطعاً یہ مقصد نہیں ہوتا کہ ''ہم کلمہ عدل میں مشترک ہیں''؛ کیونکہ اُس کا قول تو یہ ہے کہ ''ہم نہیں کہتے کہ ہم وہ مکالمہ کریں کہ ہم انہیں اپنی بات کی طرف لے کر آئیں''۔ چنانچہ اب اُس شخص کا مقصد صرف ایک مشترک تہذیب کی دعوت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس تفاعل اور آپس میں مشترکہ باتوں کی کھوج کی دعوت دراصل حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دینے کی دعوت ہے؛ جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہلِ کتاب کو اور بدرجۂ اولیٰ مسلمانوں کو منع فرمایا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَآأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

''اے اہلِ کتاب حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط کرتے ہو اور دانستہ حق کو چھپاتے ہو؟'' (آل العمران: 71)

اب جبکہ ہم نے بین المذاہب اور بین الثقافتی مکالمہ سے متعلق اُن کی غرض اور اس مکالمہ کے مقاصد کو واضح کر دیا ہے، ہم اس تصادم کے مسئلہ اور اس کے مختلف پہلوؤں جیسے اقتصادی، فکری، عسکری اور سیاسی پہلوؤں پر غور کیلئے آگے بڑھتے ہیں۔

تہذیبوں کے درمیان تصادم

اسلام اور دیگر تہذیبوں کے درمیان تصادم کی تاریخ:

مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان تصادم زمانہ قدیم سے ہے، یہاں ہمیں غرض اسلام کے دیگر ادیان اور تہذیبوں کے تصادم سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کھل کر سامنے آنے کے حکم سے قیامت تک، اسلام کشمکش وجدوجہد کا دین ہے۔ جیسے ہی رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ جو کچھ انہیں بتایا گیا ہے، اُسے کھل کر بیان کردیں۔ اسی وقت سے اسلامی افکار اور کفریہ تصورات کے درمیان فکری کشمکش (Intellectual Struggle) شروع ہوگئی تھی جو آج ہمارے دور میں بھی جاری ہے اور ختم نہیں ہوئی ہے، نہ ہی اس کے ختم ہونے کی گنجائش اور اجازت ہے، تاہم اس تصادم میں کچھ اور پہلو بھی شامل ہوگئے ہیں۔ یہ فکری کشمکش شدت، سختی اور کاٹ کے ساتھ دوسرے افکار کی تردید پر مشتمل ہے۔ جسے رسول اللہ ﷺ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے انجام دیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰـهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ﴾

''یقیناً تم اور وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، سب جہنم کا ایندھن ہے۔ تم سب اس میں داخل ہو

گے'' (الانبیاء: 98)

﴿هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ O مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيْمٍO عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ﴾

''جو طعنے دینے والا، چغلی کھانے والا ہے۔ نیکی سے روکنے والا، حد سے بڑھا ہوا گناہگار ہے۔ سخت دل ہے، اس کے بعد بداصل بھی ہے'' (القلم:13-11)

﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَO لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍO فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَO فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ O فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ Oهٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ O نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ﴾

''پھر تم اے گمراہو، جھٹلانے والو، زقّوم کے درخت میں سے کھاؤ گے اور اسی سے پیٹ بھرو گے۔ اور اس کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی پیو گے۔ اور پھر پیو گے بھی ایسے کہ جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔ یہ جزا کے دن ان کی پہلی ضیافت ہوگی۔ ہم نے ہی تمہیں پیدا کیا تو تم اس بات کی تصدیق کیوں نہیں کرتے'' (الواقعہ:57-51)

﴿إِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلَالٍ وَّسُعُرٍ﴾

''مجرم لوگ گمراہی اور دیوانگی میں پڑے ہوئے ہیں'' (القمر: 47)

﴿ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰـهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ﴾

''پھر مل کر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں'' (آل العمران:61)

﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ تباہ ہوا'' (اللھب:1)

﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾

''بے شک آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے'' (الکوثر: 3)

ایسی فکری کشمکش اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول سے نہیں ٹکراتی جس میں فرمایا:

﴿اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾

''اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان سے ایسے طریقہ پر مباحثہ کرو جو بہترین ہو، تمہارا ربّ اسے خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا اور وہ ان سے بھی خوب واقف ہے جو ہدایت یافتہ ہیں'' (النحل: 125)

کیونکہ حکمت کے معنی عقلی برہان اور نا قابلِ ردّ حجت ہے اور موعظِ حسنہ خوبصورت یاددہانی ہے۔ یہ خوبصورت یاددہانی کسی کے افکار اور احساسات پر مجموعی طور سے اثر انداز ہو کر حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا O لِّلطَّاغِينَ مَآبًا O لَّٰبِثِينَ فِيهَآ أَحْقَابًا O لا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا O إِلَّا حَمِيمًا وَّغَسَّاقًا﴾

''حقیقت میں جہنم ایک گھات کی جگہ ہے۔ سرکشوں کا ٹھکانہ ہے، حال یہ ہے کہ وہ اس میں مدت پر مدت گزاریں گے۔ اس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کا ذائقہ چکھیں گے اور نہ کسی مشروب کا، سوائے کھولتے ہوئے پانی اور بہتی پیپ کے'' (النباء:26-21)

یہاں بہتر طریقہ سے مباحثہ وہ ہے جس میں مدِّ مقابل کے ضرر سے بچا جائے یعنی اُس کی جانب سے کی جانے والی اہانت یعنی جاہلانہ طرزِ عمل سے خود کو محفوظ کیا جائے۔ اسی طرح اس فکری کشمکش اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول میں بھی کوئی ٹکراؤ نہیں ہے:

﴿وَلَا تُجَادِلُوٓا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ﴾

''اور اہلِ کتاب سے بحث بس اس طریقہ سے کرو جو بہتر ہو، رہے وہ لوگ جو ان میں ظالم ہیں ان

کی بات دوسری ہے'' (العنکبوت: 46)

اس فکری کشمکش میں جو چیز اَحْسَنُ ہے وہ اُن کی جانب سے پیش آنے والے ضرر سے خود کو محفوظ کرنا ہے۔ رہے وہ لوگ جو ظلم کریں، اسلامی احکام کو اپنے اوپر نافذ کئے جانے سے منع کریں اور قتال کریں یا جزیہ ادا کرنے سے انکار کریں، تو اُن سے مباحثہ تلوار کے ذریعہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ سے ایسے فکری کشمکش کی مثال مسند ابی شیبہ اور مسند عبدالرزاق میں نیز سیرت کی دیگر کتب میں قتادہ سے روایت کی گئی ہے:

((رسول الله ﷺ قال لرجل أسلم يا أبا حارث،فقال النصراني قد أسلمت،فقال له أسلم أبا حارث،فقال قد أسلمت،فقال له ثالثةً أسلم أبا حارث، فقال قد أسلكت قبلك، فغضب وقال كذبت حال بين و بين الإسلام خلال ثلاث:شريک الخمر و لم يقل شربک،وأكلک الخنزير ودعاؤک للّٰه ولداً))

''رسول اللہ ﷺ نے ایک نصرانی شخص سے کہا: ابوحارث اسلام قبول کرلے، اُس نصرانی نے کہا میں نے کرلیا؛ پھر فرمایا: ابوحارث اسلام قبول کرلے، اُس نے پھر جواب دیا، میں نے کرلیا؛ پھر تیسری مرتبہ فرمایا اسلام قبول کرلے، اُس نے کہا: میں نے تم سے پہلے ہی کرلیا۔ اس پر آپ ﷺ کو غصہ آیا اور فرمایا: تو نے جھوٹ کہا؛ تین چیزیں تیرے اسلام قبول کرنے میں مانع ہیں: ایک شراب خریدنا،، دوسرے تیرا خنزیر کھانا اور تیسرے تیرا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ایک لڑکے کی طرح پکارنا''

صنعانی نے اپنی تفسیر میں عبدالرزاق کی روایت نقل کی ہے جو وہ معمر سے اور وہ قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابی بن خلف ایک سڑی ہوئی ہڈی اچھالتا ہوا لے کر آیا اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے محمد! کیا اللہ اسے بھی پھر زندہ کرے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((نعم يحيي اللّٰـه هٰذا و يميتک ويدخلک في النار))

''ہاں! اللہ اسے زندہ کرے گا اور تجھے مارے گا اور آگ میں داخل کردے گا''

حاکم نے اپنی مستدرک میں جابر بن عبداللہ ﷺ سے صحیح روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں:

((إجتمعت قريش يوماً فأتاه عتبة ابن ربيعة بن شمس فقال: يا محمد أنت خير أم عبداللّٰه...فسكت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أفرغت،قال نعم،فقرأ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ﴿بسم اللّٰه الرَّحمٰن الرَّحيم O حٰم O تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحمٰنِ الرَّحِيْم﴾ حتى بلغ ﴿فَإِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾فقال له عتبة:حسبك حسبك ما عندك غير هذا؟ قال:لا،فرجع عتبةإلى قريش فقالوا ما وراء ك؟ فقال:ما تركت شيئاً أرى أنكم تكلمونه إلا قد كلمته، قالوا:فهل أجابك؟قال:نعم والذي نصبها بنية ما فهمت شيئاً مما قال غير أنه أنذركم صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود.قالوا:ويلك يكلمك رجل بالعربية ولا تدري ما قال؟ قال:لا واللّٰه ما فهمت شيئاً غير ذكر الصاعقة))

''قریش بیٹھے تھے کہ عتبہ بن ربیعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا: اے محمد (ﷺ) تم اچھے ہو یا عبداللہ؟ رسول اللہ ﷺ ذرا خاموش رہے، پھر فرمایا: ''کیا تم نے اپنی بات کہہ دی؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے سورۂ حم السجدہ (سورۃ فصلت) کی آیات تلاوت فرمائیں اور اِس آیت تک پہنچے: ﴿فَإِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ ''پھر اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو میں تو تمہیں اس طرح کی کڑک سے ڈراتا ہوں جس طرح کی کڑک عاد اور ثمود پر نازل ہوئی'' (حٰمٓ السجدة: 13) اس پر عتبہ نے کہا بس کیجئے، بس کیجئے؛ کیا آپ (ﷺ) کے پاس اس کے سوا کہنے کو اور کچھ نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں''۔ عتبہ اُٹھ کر قریش کے پاس واپس گیا تو اُنھوں نے اُس سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اُس نے بتایا: میں نے ہر وہ بات کہہ دی جو میں سمجھتا ہوں کہ

تم کہتے۔ قریش نے پوچھا کہ پھر کیا کوئی جواب ملا؟ عتبہ نے کہا: ہاں قسم ہے اُس ذات کی جس نے یہ سب کھڑا کیا، میں اس کے سوا اور کچھ بھی نہ سمجھ پایا کہ اُس (محمد ﷺ) نے تمہیں اُس بجلی کی کڑک سے خبردار کیا جو عاد اور ثمود پر نازل ہوئی تھی۔ قریش نے عتبہ سے کہا: خرابی ہو تیری، تجھ سے ایک شخص عربی زبان میں بات کرتا ہے اور تجھے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا کہا گیا؟ اُس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم، میں اس بجلی کے کڑکے والی بات کے سوا کچھ بھی نہ سمجھا''۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی فکری کشمکش سے متعلق روایت شدہ گفتگو کا کچھ حصہ ہے جو ہم نے یہاں بیان کیا ہے۔

یہی طرزِ عمل صحابہ کرام کا بھی رہا جن کے بارے ابن اسحٰق نے زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد پہلا شخص جس نے مکہ میں قرآنِ مجید بہ آوازِ بلند پڑھا وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک دن صحابہ کرام جمع ہوئے اور کہنے لگے، اللہ کی قسم! اب تک قریش نے قرآن کی تلاوت نہیں سنی ہے، سو کون ہے جو اُنھیں قرآن سنائے گا؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا میں سناؤں گا۔ صحابہؓ نے کہا کہ ہمیں تمہاری سلامتی کے بارے میں خوف ہے، ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص ہو جس کے خاندان والے اُسے قریش کے شر سے محفوظ رکھیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، میری فکر مت کرو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا۔ دوسرے دن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دوپہر کے وقت مقامِ ابراہیم پہنچے اور سورۃ الرحمٰن تلاوت کی: ﴿بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾ پھر اپنی آواز بلند کی اور پڑھا: ﴿الرَّحۡمٰنُ ○عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ﴾ ''رحمٰن، جس نے قرآن سکھایا'' (الرحمٰن: 2-1) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا رخ قریش کی جانب تھا، وہ سوچنے لگے اور پوچھنے لگے کہ یہ ابنِ اُم عبد کیا کہہ رہا ہے؟ ایک نے کہا کہ وہ پڑھ رہا ہے جو محمد (ﷺ) لائے ہیں۔ لہٰذا وہ لوگ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ضرب لگانے لگے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ برابر پڑھتے رہے اور جتنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا وہ آپ رضی اللہ عنہ نے پڑھا، پھر آپ رضی اللہ عنہ اپنے زخمی چہرے کے ساتھ صحابہؓ کے پاس پہنچے تو اُنھوں نے کہا کہ ہمیں اسی بات کا خوف

تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے نزدیک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمن اتنے کمزور کبھی نہ تھے، اگر تم لوگ چاہو تو میں کل یہی کچھ دہراؤں گا۔ صحابہؓ نے کہا کہ نہیں اتنا کافی ہے، آپ نے اُنھیں وہ سنا دیا جو اُنھیں ناگوار تھا۔ اسی طرح ابنِ کثیر اپنی کتاب ''جامع المسانید والسنن'' میں روایت کرتے ہیں: ''حاطب ﷺ سے روایت ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے اسکندریہ کے مقوقس جریج بن مینا کے پاس بھیجا تھا، تو اُس نے حاطب ﷺ سے پوچھا کہ تمہارے نبی اُن لوگوں کے خلاف دعا کیوں نہیں کرتے جنھوں نے اُنھیں اپنے وطن سے نکال دیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ بالکل اسی وجہ سے، جس وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام نے اُن لوگوں کیلئے بددعا نہیں کی تھی جو اُنھیں قتل کرنا چاہتے تھے، یہاں تک کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُنھیں اُٹھالیا۔ مقوقس نے کہا کہ بہت بہتر! تم ایک دانا شخص ہو جو ایک صاحبِ حکمت کی طرف سے آئے ہو''۔ حاکم نے مستدرک میں روایت نقل کی ہے اور اُسے شیخین کی شرائط پر صحیح بتایا ہے کہ ابوموسیٰ الاشعری ﷺ نقل کرتے ہیں: ''ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ ہم نجاشی کے ملک کی طرف نکل جائیں، جب قریش کو یہ خبر ملی تو اُنھوں نے عمرو بن العاص اور عمارۃ بن الولید کو نجاشی کیلئے تحفوں کے ساتھ پیچھے بھیجا۔ ہم نجاشی کے پاس پہنچے اور وہ لوگ بھی پہنچے، اُنھوں نے نجاشی کو تحفے پیش کئے جو اُس نے قبول کئے، پھر اُن لوگوں نے نجاشی کو سجدہ کیا اور عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا: ''ہم میں سے کچھ لوگ ہمارے دین سے پھر گئے ہیں اور اب آپ کے ملک میں ہیں۔ نجاشی نے پوچھا میرے ملک میں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہاں! نجاشی نے ہمیں بلوایا تو جعفر بن ابی طالب ﷺ نے ہم سے کہا: ''تم میں سے کوئی نہ بولے، آج میں تمہاری طرف سے خطاب کروں گا۔ ہم جب وہاں پہنچے تو نجاشی اپنی مجلس میں تھا، اُس کے دائیں جانب عمرو بن العاص اور بائیں جانب عمارۃ بن الولید بیٹھا تھا، اور دربار کے پادری اور علماء موجود تھے۔ عمرو بن العاص اور عمارۃ بن ربیعۃ نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ تمہیں سجدہ نہیں کرتے، پھر جب ہم داخل ہوئے تو پادریوں نے ہماری سرزنش کی اور بادشاہ کو سجدہ کرنے کو کہا، جعفر ﷺ نے اُن کو بتایا کہ ہم لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔

نجاشی نے پھر ہم سے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ جعفر رضی اللہ عنہ نے اُن کو بتایا ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے درمیان اپنا رسول بھیجا ہے جس کی خوشخبری عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد ہوگا، اُس نبی نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ ہی کی عبادت کریں اور اُس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں، ہم نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اُنھوں نے ہمیں بھلائی کا حکم دیا اور برائی سے روک دیا'' اُن کی باتوں نے لوگوں کو حیران کر دیا۔ عمرو بن العاص نے جب یہ ماجرا دیکھا تو نجاشی سے کہا: ''اللہ آپ کا اقبال بلند کرے، یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے معاملہ میں آپ سے اختلاف رکھتے ہیں۔'' نجاشی نے جعفر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھی (رسول اللہ ﷺ) ابن مریم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جعفر رضی اللہ عنہ نے اُن کو بتایا کہ وہ وہی کہتے ہیں جو اللہ کا قول ہے کہ ابنِ مریم روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں، جنہیں اللہ نے پاک دامن اور کنواری مریم سے پیدا کیا جنھیں کسی مرد نے نہ چھوا تھا۔ نجاشی نے زمین سے ایک چھڑی لے کر اُسے اوپر اُٹھایا اور پادریوں سے کہا کہ جو کچھ تم لوگ ابنِ مریم کے بارے میں کہتے ہو، اُن باتوں اور اِن لوگوں کی باتوں میں بس اِس چھڑی جتنا ہی فرق ہے۔ خیر مقدم ہے تمہارا اور اُن کا جن کی جانب سے تم لوگ آئے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام فرما گئے تھے اور اگر مجھ پر اس بادشاہی کا بوجھ نہ ہوتا تو میں اُن کی جوتیاں اُٹھانے کے واسطے اُن کے پاس جاتا۔ آپ لوگ میرے ملک میں جب تک چاہیں رہیں۔ پھر نجاشی نے اُن کیلئے غذاء اور کپڑوں کیلئے حکم دیا اور کہا کہ اُن دونوں قریشیوں کے تحفے اُنھیں ہی لوٹا دیئے جائیں۔ امام احمد نے ام سلمیٰؓ سے طویل حدیث نقل کی ہے جو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ والی اس روایت سے زیادہ مفصّل ہے، نیز ہیثمی نے بھی اپنی **المجمع** میں نقل کی ہے اور کہا کہ ابنِ اسحٰق کے سوا اِس روایت کے رجال صحیح ہیں، اور اس حدیث کی سماعت کی صراحت کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی مسلمان کفر ادیان اور اُن کی تہذیبوں سے یونہی برسرِ پیکار رہے۔ یہ جد و جہد (جیسا کہ آئندہ صفحات پر آئے گا) فکری بھی رہی اور عسکری

بھی، یہاں تک کہ اسلام دنیائے قدیم کے بیشتر علاقوں میں عام ہوگیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ اِن لوگوں نے اپنی سابقہ ثقافت اور ادیان دونوں کو خیر باد کہا اور ایک نئی امت میں ضم ہو گئے۔ ایسی امت میں جس کا عقیدہ ایک، افکار ایک، زندگی کے بارے میں نظریہ ایک، اُس کا نظام ایک، اُس کا مفاد ایک اور اُس امت کا مقصد بھی ایک تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلمہ کو سربلند کیا جائے۔ پھر یہ امت دنیا کی قیادت کرنے لگی، اس کی بستیاں روشن فکری، عقیدۂ توحید، اور عادلانہ شریعت کا مرکز بن گئیں۔ یہ امت اللہ کی کتاب، نبی ﷺ کی سنت اور عربی زبان کو تھامے رہی اور اسلام ہی تمام امت کی آئیڈیالوجی (Ideology) رہا، عربی زبان پر خصوصی توجہ دی گئی جس کے باعث امت میں مجتہدین اور لغت کے علماء پیدا ہوئے۔ اس امت میں عربی اور عجمی کے درمیان کوئی فرق نہ تھا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ نعمت تھی کہ سب آپس میں بھائی بھائی تھے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان کے خلاف ایک شیطانی مہم چھیڑی جا چکی ہے تا کہ عربی زبان کو اسلام سے علیحدہ کر دیا جائے اور عربی کی عامیانہ شکل کو بڑھایا جائے، اور مسلمانوں کی دیگر زبانوں کو لاطینی رسم الخط میں لکھا جائے اور مقامی عامیانہ بولیوں کو عربی تسلیم کیا جائے۔ یہ بات معروف ہے کہ جو شخص عربی زبان سے ناواقف ہے اسلام کا اجتہاد تو دور کی بات ہے، اُس کیلئے اسلام کا فہم حاصل کرنا بھی مشکل ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ عربی زبان کی حیثیت لاطینی (Latin) اور سریانی (Syriac) زبانوں کی مانند کر دی جائے تا کہ اسلامی فہم صرف غیر مستعمل عربی زبان کے ماہرین تک ہی محدود ہو کر رہ جائے۔ حقیقت میں اُن کا منشاء یہ ہے کہ یہ زبان مردہ ہو جائے۔ جو عربی پر عبور نہیں رکھتا، خبر اور انشاء، امر و نہی، حقیقت اور مجاز، علت و سبب، شرط و مانع، عام و خاص، مطلق و مقید، منطوق و مفہوم کے اشارے، دلالتِ التزام، حروف کے معانی، صَرف ونحو وغیرہ جو نصوصِ شرعیہ کے فہم کیلئے ناگزیر ہوتے ہیں، کو نہیں جانتا، وہ شخص کیونکر شریعت کے نصوص کو سمجھ پائے گا؟ جو شخص اِیسی سمجھ کی وکالت یا حمایت کرتا ہے وہ اسلام کا دشمن ہے اور جو ناسمجھی کی وجہ سے اِن پُرفریب باطل تصورات کا شکار ہوا وہ بے وقوف ہے!

البتہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین میں داخل ہونا ہر جگہ پر ہمہ گیر و جامع نہیں تھا یہاں تک کہ عربوں میں بھی، پس وہ ادیان اور تہذیبیں جو اسلام سے مغلوب ہو چکی تھیں، اُن کا وجود باقی رہا۔ آغاز میں تو اِن ادیان کا وجود ضعیف و لاغر ہو گیا کیونکہ اب وہ ماحول نہیں رہا تھا جس میں ایسے ادیان اور تہذیبیں پنپ سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ زندیق ناکام ہوئے اور اُن کا قلع قمع کر دیا گیا۔ البتہ بعد از آں عربی زبان کی طرف سے لاپراوہی ہوئی جس کے نتیجے میں اجتہاد کے دروازے بند ہوئے جس سے احکام کا فہم مبہم ہوتا گیا اور ریاستِ اسلامی کمزور ہونے لگی، یہاں تک کہ ٹوٹ کر چھوٹے چھوٹے ممالک میں منقسم ہو گئی۔ پرانی تہذیبوں کے افکار و رجحانات مسلمانوں میں داخل ہوئے جیسے ہندو فلسفہ سے ترکِ دنیا اور اپنے جسم کو اذیت پہنچانا، اسی طرح قوم پرستی اور دین کے مخفی (باطنی) معانی جیسے غلط افکار امت میں پھیلے، مرکزِ خلافت سے علیحدگی کی کوششیں شروع ہوئیں۔ یوں ریاست کمزور ہوئی اور فتوحات کا سلسلہ منقطع ہو گیا، بلکہ صلیبی عیسائی اور تاتاری خلافت پر للچائی نظریں ڈالنے لگے۔ اس کے بعد عثمانی خلافت نے ریاست کے بیشتر علاقوں کو اپنے اقتدار میں متحد کیا اور فتوحات پھر شروع ہوئیں۔ البتہ اِن فتوحات پر عسکریت کا عنصر حاوی رہا اور اسلامی آئیڈیالوجی کو اپنی صحیح شکل میں پیش نہیں کیا گیا، پس فاتح علاقوں کے لوگ اسلام کے سانچے میں اُس طرح نہیں ڈھلے جو اولین دور کی فتوحات میں ہوا تھا۔ چنانچہ ایک طرف اوزبک، تاجک، پشتون، ایرانی، ترک، بربر، ہندوستانی، ترکمانی اور کرد اقوام ہیں جن کی اسلام کیلئے محبت ہے اور یہ اسلام کو تھامے ہوئے ہیں، تو دوسری طرف وہ اقوام ہیں جن کی فتوحات عثمانی خلافت کے دور میں ہوئی جیسے سرب (Serbians)، یونانی، ہنگری، کرویشیائی (Croats) اور رومانیائی (Romanians) وغیرہ جو مغربی اقوام کے ساتھ اسلام اور اسلامی ریاست کے خلاف سازشوں میں شریک ہوئے اور انہوں نے انتقام لینے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس کے بعد ثقافتی حملوں (Cultural Invasions) اور مشنریوں کے ذریعہ دھاوا بولا گیا جس نے اسلامی ریاست کے ٹکڑے ٹکڑے

کر کے اسے تباہ کر دیا اور مسلمانوں کی جماعت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ سرمایہ دارانہ مغربی دنیا نے اس پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ وہ اپنے افکار و سوچ مسلمانوں میں رائج کرنے میں جُتے رہے۔ قومیت، وطنیت، جمہوریت و آزادی جیسے افکار مسلمانوں میں عام کئے گئے، انسان کے وضع کئے ہوئے قوانین اور مسلمانوں کے ممالک کے درمیان مصنوعی سرحدیں حائل کر دیں اور اِن چھوٹے چھوٹے ''ممالک'' پر اپنے کرپٹ ایجنٹ حاکم کی حیثیت سے بٹھا دیئے جن کی وفاداریاں مغربی دنیا کے ساتھ تھیں اور وہ اُنہی کے رسوخ کو تقویت دیتے، اُن کے افکار اور سوچ کو عام کرتے، اُن ہی کے مفادات کی حفاظت کرتے، اُن کی ڈالی گئی تفریق کو اور گہرا کرتے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے راستے سے بھٹکاتے اور ہر ایسے مخلص شخص کے خلاف اقدامات کرتے جو اِس فاسد طوق کو اپنی گردن سے اتار پھینکنے کی کوشش کرتا۔ اِن حاکموں کی مدد و اعانت میں یہ فکری ایجنٹ (Intellectual Agents) ہر وقت تیار رہتے تھے جو بڑے جوش و خروش سے سرمایہ دارانہ مغربی افکار کی دعوت دیتے تھے اور مغربی سوچ کا دفاع کرتے تھے۔ یہ فکری ایجنٹ بڑے انہماک سے اسلامی تہذیب سے نبرد آزما رہتے اور اپنے اندھے خلوص کی وجہ سے امت کے دشمن کی صفوں میں کھڑے ہو گئے تھے۔ اِن فکری ایجنٹوں کو صلیبی (Crusader) کفار اور مسلم ممالک میں اِن کے بٹھائے ہوئے حکام نے تعلیم اور میڈیا کے شعبوں پر مسلط کر دیا جہاں یہ خود بھی گمراہ ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ افکار کا یہ حملہ آج بھی تھما نہیں ہے، مغربی ثقافت و تہذیب کے افکار اور مفاہیم و تصورات مثلاً حریت (Liberty)، جمہوریت، تکثیریت (Pluralism)، سول سوسائٹی، متوازی خود مختار اداروں پر مشتمل ریاست، انسانی حقوق، حقوقِ نسواں، وطن پرستی اور مذاہب کے مابین مکالمہ (Interfaith Dialogue) وغیرہ کی جانب دعوت پورے جوش و خروش سے جاری ہے۔ لہٰذا اسے حقیقی معنوں میں دو تہذیبوں کے درمیان یعنی اسلامی اور سرمایہ دارانہ تہذیبوں کے درمیان شدید فکری تصادم کہا جائے گا۔ خواہ بعض مغربی دانشور اور بااثر سرمایہ دار اسے چھپانے کی لاکھ کوشش کریں ہم اس تصادم سے دن رات دوچار

ہیں اور یہ کشمکش اس قدر واضح اور عیاں ہے کہ اس کیلئے کسی ثبوت یا دلیل ضروری نہیں۔ مثال کے طور ہم دیکھتے ہیں کہ سابق امریکی صدر رچرڈ نکسن اپنی کتاب ''سنہری موقع'' (Seize the Moment) میں کہتا ہے: ''ہماری (امریکی) تنہا پسندی (Isolationism) ہمارے اقدار اور ہمارے مذہبی عقیدے سے ٹکراتی ہے، یہ عقیدہ ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ''نیکی'' کو سارے عالم میں عام کریں۔'' پھر یہی نکسن اپنی کتاب ''بغیر جنگ کی فتح'' (Victory Without War) میں کہتا ہے: ''اسلام کی انقلابی آئیڈیالوجی، جدت اور جدت پسندی کا ردِعمل ہے، کمیونسٹ یہ وعدہ کرتے ہیں کہ وہ تاریخ کا رخ آگے کی جانب موڑ دیں گے اور اسلامی بنیاد پرستی اسے پیچھے کی جانب کھینچ رہی ہے۔ یہ انقلابی کمیونسٹ اور اسلام پرست (ہمارے) فکری دشمن (Ideological Enemies) ہیں اور دونوں نے ایک ہی مشترکہ ہدف اختیار کرلیا ہے، وہ کسی بھی ذریعہ سے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ اپنی اقدار پر مبنی ایک ڈکٹیٹرشپ قائم کرسکیں اور یہ قابل قبول نہیں! پھر ہم اٹلی کے موجودہ وزیر اعظم سلوِیو برلیسکونی (Silvio Berlesconi) کو دیکھتے ہیں، وہ کہتا ہے، ''یہ ضروری ہے کہ ہمیں ہماری تہذیب کے برتر ہونے کا شعور وادراک ہو، یہ لازم ہے کہ مغرب نئے لوگوں کو فتح کرے اور انھیں مغربی ثقافت میں رنگے، یہ پہلے کمیونسٹوں کے ساتھ ہوچکا ہے اور اسلامی دنیا کے بعض حصوں کے ساتھ بھی ہوا ہے۔'' ناروے کے ٹیری لارسن (Teri Larsson) جو اوسلو امن مذکرات کا منتظم (Co-ordinator) ہے، اُس نے فلسطینی مسلمانوں کے مغربی دنیا کے ساتھ تعلقات کو استوار کرنے کے رجحان کا خیر مقدم کیا ہے۔ اوسلو اور wye river مذاکرات میں یہودی وفد کے ایک رکن یوری سویر (Uri Savir) اپنی کتاب ''دِی پراسس'' (The Process) میں لکھتا ہے: ''عورتوں کے سروں سے حجاب اب غائب ہونے لگے ہیں، اُن کے لباس نیچے کی جانب سے مختصر ہونے لگے ہیں، اس بات کا لارسن نے خیر مقدم کیا ہے کیونکہ یہ مغربی دنیا کے ساتھ حالات استوار کرنے کی طرف ایک قدم ہے۔'' حقیقت بھی یہی ہے کہ پہلی انتفاضہ

کے دوران اوسلو معاہدے سے قبل عورتیں اتنی بے باک نہ تھیں۔ چنانچہ امریکہ کی سابق نائب وزیرِ خارجہ فلس اوکلی (Phyllis Oakley) کہتی ہے: ''ہم اُن لوگوں سے متفق ہیں جن کا موقف یہ ہے کہ ثقافتوں کے مابین تصادم کو روکا نہیں جاسکتا'' میڈلین آلبرائیٹ (Madelene Albright) امریکہ کی سابق وزیرِ خارجہ نے کہا: ''ہم پر حملہ ہماری (مخصوص) شناخت کے سبب ہوا، ہم عالمگیریت (Globalisation) کے پاسدار ہیں، جمہوریت، آزادی اور کھلے معاشرے کا دفاع کرتے ہیں، یہی امریکہ کا مزاج ہے جسے ہم ترک نہیں کرسکتے۔'' (رسالہ القدس، ناتھان چارلس - واشنگٹن کے الفاظ کا ترجمہ)۔ پال کینیڈی، امریکہ کی ییل یونیورسٹی (Yale University) میں تاریخ کا پروفیسر ہے وہ کہتا ہے: ''ہمیں لامحالہ یہ نتیجہ اخذ کرنا ہی پڑے گا کہ دہشت گرد حملوں کا خطرہ ختم نہیں ہوگا، نیز یہ کہ ہم ان حملوں کو روکنے میں بھی زیادہ کامیاب نہیں ہو پائیں گے۔ جن اب بوتل سے باہر نکل چکا ہے اور اُس میں انتقام کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، اُن کے 'کار بم' اب 'طیارہ بم' بن گئے ہیں۔'' (رسالہ القدس 22 ستمبر 2001)۔ 1992 میں پولینڈ کی پارلیمنٹ سے خطاب کے دوران یہودی ریاست کے سابق صدر ہرتزوگ (Hertzog) نے کہا: ''اسلامی بنیاد پرستی کی وباء بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے، یہ صرف یہودیوں کیلئے ہی خطرہ نہیں ہے بلکہ تمام انسانیت کیلئے ہے۔'' (رسالہ العربی، شمارہ 514)۔ شمعون پیریس (Shimon Peres) کہتا ہے، ''کمیونزم کے خاتمہ کے بعد اب بنیاد پرستی اس دور کا سب سے بڑا خطرہ بن گئی ہے۔'' (رسالہ العربی، شمارہ 514)۔ امریکہ کا سابق وزیرِ خارجہ سائرس وانس (Cyrus Vance) کہتا ہے، ''ہمیں اِن شدت پسندوں سے نمٹنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے اور پرعزم رہنا چاہئے، اِن کے آئندہ قدم کی پیشگوئی نہیں کی جاسکتی۔'' (رسالہ العربی، شمارہ 514)۔ فرانس کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لکھتا ہے: ''دجّال، عورتوں کو اِغوا کرنے والا، انسانی عقل و دانش کا سب سے بڑا دشمن۔'' (نعوذ باللہ)

یہ لوگ اور اِن جیسے دوسرے لوگ اپنی اسلام دشمنی کا اظہار نہایت صراحت سے کرتے ہیں۔ اِن کا یہ اظہار واضح ثبوت ہے کہ وہ اپنی سرمایہ دارانہ تہذیب کے ذریعہ اسلامی تہذیب سے پرتشدد فکری کشمکش میں مشغول ہیں۔ البتہ اِن کے علاوہ ایک اور فریق بھی ہے، جن کی اسلام دشمنی اور مسلمانوں سے عناد کسی بھی طرح پہلے فریق سے کم نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اُنھیں بھٹکا رہا ہے تاکہ وہ اپنے خمار ہی میں رہیں اور تبدیلی کیلئے نہ اُٹھیں۔ چنانچہ سابق امریکی صدر بل کلنٹن کہتا ہے: ''مشرقِ وسطیٰ میں ہمارا دشمن انتہاء پسندی ہے''، بل کلنٹن نے تہذیبوں کے درمیان تصادم کے خیال کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ''اس وقت جو تصادم جاری ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ کشمکش اُن قوتوں سے ہے جو اسلام اور قومیت کی آڑ لے رہی ہیں اور یہ اسلامی تعلیمات کے برخلاف ہے۔'' اُس نے اس بات پر زور دیا کہ اسلام دنیا میں اعتدال (Moderation) اور تحمل (Tolerance) کیلئے ایک بڑی قوت ہے (رسالہ **العربی**، شمارہ 514)۔ بلجیم کے وزیر خارجہ لوئی مچل (Louis Mitchell) نے برلیسکونی کے سابقہ بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''جب یورپی اتحاد کا کوئی وزیر اعظم اس منطق سے بات کرتا ہے تو یہ قطعاً قابلِ قبول نہیں ہے، یہ کہنا کہ فلاں تہذیب برتر و اعلیٰ ہے یا یہ کہ اس کا مقام و مرتبہ دیگر تہذیبوں کے مقابلہ میں برتری کا ہے، اُن یورپی اقدار سے متضاد ہے جن پر ہم سب کا یقین ہے'' (**الجزیرة** چینل کے مذکورہ پروگرام سے اقتباس)۔ یہاں تک کہ موجودہ امریکی صدر بُش، جس نے علی الاعلان صلیبی جنگ کا اعلان کیا، اس کے باوجود وہ واشنگٹن کے اسلامی مرکز گیا اور وہاں اسلام کو امن وسلامتی کا دین بتایا، اسی طرح اس موجودہ حملے میں اُس کے شریک برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے بھی اسلام کو امن کا دین کہا اور قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کیا:

﴿مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً﴾

''جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا زمین میں فساد برپا

کرنے کی سزا دی جائے، تو گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر ڈالا'' (المائدۃ: 32)

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ مسلمان ایسے پُر فریب الفاظ سے جو یہ اور اِن جیسے اشخاص کہتے ہیں، دھوکہ نہ کھائیں، اِن کے سینوں کا بغض اِن کے افعال میں عیاں ہوتا ہے نہ کہ اُن کے پُر فریب بیانات میں، جن کے جھانسے میں ایک بابصیرت مسلمان ہرگز نہیں آ سکتا۔

دراصل یہ لوگ اسلام کی حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں، بلکہ بعض مسلمانوں سے بھی بہتر سمجھتے ہیں، چنانچہ امریکہ کا سابق صدر نکسن جس کے اقوال ہم نے نقل کئے، کہتا ہے: ''اُن کے اقدار قابلِ برداشت نہیں... اور اسلامی بنیاد پرستی اسے پیچھے کی جانب کھینچ رہی ہے... اسلام پرست (ہمارے) آئیڈیالوجیکل دشمن (Ideological Enemies) ہیں۔'' نکسن اپنی تصنیف ''سنہری موقع'' (Seize the Moment) میں لکھتا ہے: ''اسلام محض ایک مذہب نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عظیم تہذیب کی بنیاد ہے''۔ اس طرح اُس نے اسلام اور عیسائیت میں تمیز کی ہے اور اپنی کتاب میں وہ بنیاد پرستوں کے موضوع پر اظہار خیال کے دوران کہتا ہے: ''یہ لوگ ماضی کو بحال کر کے سابقہ اسلامی تہذیب کو پھر سے کھڑا کرنے کا مصمم ارادہ کئے ہوئے ہیں جس کی تحریک انہیں مغرب کی نفرت سے ملی ہے، اِن کا ہدف یہ ہے کہ وہ اسلامی شریعت کو نافذ کریں، جو کہ قرآن پر مبنی قانون ہے جس میں ریاست اور چرچ کی کوئی تفریق و تقسیم نہیں ہے۔'' پھر وہ کہتا ہے، '' ہماری تہذیب اُن کی تہذیب سے زیادہ مقدم نہیں ہے، دنیائے اسلام نے کمیونزم کا مقابلہ مغربی دنیا سے زیادہ طاقت سے کیا، یہ لوگ مادیت اور مغربی دنیا میں پھیلی اخلاقی گراوٹ کو مسترد کرتے ہیں اور یہ سب اُن کے حق میں جاتا ہے نہ کہ اُن کے خلاف۔'' اب جیسا کہ یہاں ظاہر ہو رہا ہے، وہ اپنے اِن اقوال میں پر خلوص ہے، اس کے باوجود وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ہم آئیڈیالوجیکل دشمن (Ideological Enemies) ہیں۔ اپنے ان الفاظ کے باوجود وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا ہے اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی حمایت کرتا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب '' بغیر جنگ کی فتح'' (Victory Without War) میں کہتا

ہے،''اسرائیل کی بقاء کیلئے ہمارا التزام (Commitment) بہت گہرا اور قوی ہے، ہم محض رسمی حلیف ہی نہیں ہیں، ہمیں جو چیز مربوط کئے ہوئے ہے، وہ کسی کاغذ کے ٹکڑے سے کہیں مضبوط ہے، یہ ایک اخلاقی التزام ہے، ایسی پابندی جس سے ماضی میں کسی صدر نے روگردانی نہیں کی اور مستقبل میں بھی ہر صدر اس پر مکمل اخلاص سے کاربند رہے گا۔ امریکہ کبھی اسرائیل کے دشمنوں کو، جنھوں نے اسے مٹا دینے کی ٹھان رکھی ہے، اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دے گا۔''
پھر اپنی کتاب ''سنہری موقع'' (Seize the Moment) میں کہتا ہے: ''جمہوری حکومتیں جیسے اسرائیل اور جنوبی کوریا، جنھیں خطرہ لاحق ہے، اگر ضرورت پڑے تو ہم اُن کی حفاظت کی خاطر فوجی طاقت کے استعمال کیلئے تیار ہیں۔'' مزید لکھتا ہے، ''کوئی بھی امریکی صدر یا کانگریس کبھی بھی اسرائیل کو مٹا دیئے جانے کی اجازت نہیں دے گی۔'' یہ لوگ اسلام اور اس کی تہذیب کی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں، تاہم اپنے کفر، عناد اور چالوں پر بھی قائم ہیں۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ جس طرح ایک مسلم بعض اہلِ مغرب کے مقابلہ میں اُن کی مغربی تہذیب کو بخوبی سمجھنے کے باوجود خلوص کے ساتھ اسلام اور اسلامی تہذیب پر قائم رہتا ہے، اسی طرح اس کے برخلاف بھی حقیقتِ واقعہ ہے۔ ضروری یہ ہے کہ ایک مسلمان اس قسم کے فریب سے دھوکہ نہ کھائے۔

اسلام اور کفر کے درمیان اس تصادم کا کلیدی نکتہ (Critical issue) نبوتِ کے نقشِ قدم پر ریاستِ خلافتِ راشدہ کا دوبارا قیام ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ اسلام نافذ نہیں ہو رہا ہے، مسلمانوں کی کمزور حالت افسوسناک ہے اور اُن کی پستی، ذلت، پسماندگی اور تفرقہ تاسف انگیز ہے، چنانچہ اس صورتِ حال میں اس تصادم اور اس کے متعدد پہلوؤں کو محض ذرائع ابلاغ میں دعوت کرنے، یا کتابیں لکھنے اور انفرادی رابطوں تک محدود کرنا نہ صرف سادہ لوحی اور بھول پن ہوگا بلکہ سراسر کم فہمی ہوگی۔ اور جب یہ ریاستِ خلافت، جس میں عدل، تحفظِ شرف وعزت، سعادت اور انسانیت مجسّم وعیاں ہوگی، قائم ہوجائے گی تو دور اور نزدیک کا ہر شخص خواہ وہ مسلمان ہو یا

کافر اسے محسوس کر پائے گا، اس ریاست کا وجود لاکھوں کتب، لاکھوں فردی رابطوں اور ہزارہا ذرائع ابلاغ کا نعم البدل ہوگا۔ اور جب اِن تمام اسلوب و ذرائع کا استعمال اِس ریاست میں کیا جائے گا، تو ہم لوگوں کے گروہ کے گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھیں گے۔

تہذیبوں کے درمیان تصادم کے مختلف پہلو

فکری تصادم:

اسلامی اور تمام کفریہ تہذیبوں کے مابین فکری کشمکش ایک واقعاتی حقیقت ہے اور خواہ کفار نے یہ تصادم نہ بھی چھیڑ رکھا ہو، اس تصادم میں شرکت ہر مسلمان کا فریضہ ہے جس کا آغاز رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے خفیہ دور کے بعد اور ریاست کے قیام سے قبل فرمایا تھا اور یہ آج ہمارے زمانے میں بھی جاری ہے اور جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہے گا، یہ جاری وساری رہے گا۔ گو کہ اس تصادم سے بعض افراد بے خبر و غافل ہوں یا یہ اُن کیلئے واضح نہ ہو بہر حال یہ ایک حقیقت ہے۔ کوئی بھی شخص عقائد و اقوام کی کتب کا مطالعہ کرے تو وہ اس وقت کے افکار سے مسلمانوں کی فکری جدوجہد کو دیکھ سکتا ہے۔

مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے مابین اس کشمکش و تصادم کی متعدد اشکال ہیں مثلاً:

1) ذرائع ابلاغ پر گرفت اور اِن وسائل کو سرمایہ دارانہ تہذیب کے فروغ کیلئے استعمال کرنا۔

2) تعلیمی نصاب کے تمام مراحل پر گرفت تاکہ مغربی افکار کو عام کر کے ان کو فروغ دیا جائے اور اسلامی تہذیب کے افکار کو مسخ کرنا، اُن کی مخالفت کرنا نیز اسلامی تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا۔

3) ایسے اسکولوں اور یونیورسٹیوں کی بنیاد ڈالنا جن کی مغرب براہِ راست نگرانی کرے۔

4) ایسی جماعتیں تشکیل دینا جو مغربی تہذیب اختیار کریں، اور اُسی کی جانب دعوت دیں اور جن کی نگرانی مغرب اور اس کے ترقی پسند اور اعتدال پسند دوست(Moderate & Progrssive) کرتے ہوں۔

5) اُن افراد پر اپنی توجہ مرکوز کرنا جنھیں وہ ایلیٹ (Elite) گردانتے ہوں اور مفکر یا دانشور سمجھتے ہوں، اُن پر نظرِ عنایت کرنا اور اُنھیں بڑھاوا دینا تاکہ وہ دنیائے اسلام میں اُن کے افکار کی قیادت کریں۔

6) مختلف تعلیمی سکالرشپ اور کورسز کی مالی معاونت کرنا جن کے ذریعے ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے جو اُن کیلئے فکری یا سیاسی ایجنٹ اور جاسوس بنیں۔

7) ایسے ادارے، کلب اور مراکز قائم کرنا جو اُن کا زہر پھیلانے کیلئے مخصوص ہوں اور اِن پر فراخدلی سے خرچ کرنا۔

8) عربی زبان کی مخالفت کرنا اور غیر عربی زبانوں کو فروغ دینا، نیز قومیت اور وطنیت کے نعروں کو بڑھاوا دینا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو 'مفادات کے تصادم' سے موسوم کیا جاتا ہے وہ بھی فی الحقیقت فکری اختلاف پر ہی مبنی ہے جس سے فکری تصادم کا آغاز ہوتا ہے۔ مفادات کا یہ تصادم عسکری نوعیت میں بھی بدل سکتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کمزور فریق جو عسکری تصادم نہ کرسکتا ہو وہ مفادات کے تصادم کی کشمکش میں حصہ نہیں لیتا یا بس اس قدر ہی حصہ لیتا ہے جتنا لومڑی یا چرخ کسی شیر سے اس کے شکار میں حصہ لینے پر کشمکش کرتے ہیں۔ مفادات کا یہ تصادم دو تہذیبوں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے، دو ممالک کے مابین بھی یا ایک ہی تہذیب سے تعلق رکھنے والی دو قوموں کا

بھی آپس میں مفادات پر تصادم ہوسکتا ہے۔ جب امریکہ نے خلیج پر حملہ کر کے وہاں قبضہ جمایا، اپنا اثر ورسوخ قائم کیا، وہاں بس گیا اور پھر پھیلنے لگا، تو اُس کا مقصد کویت کو آزاد کرانا نہیں تھا بلکہ تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنا اور اپنا اثر ورسوخ قائم کرنا تھا جیسا کہ ایک امریکی شخص نے کہا ''ہم تو ربّ کی ایک غلطی کا ازالہ کرنے آئے ہیں'' یعنی اللہ سبحانہ وتعالی نے تیل مغرب کے بجائے خلیج میں کیوں پیدا کیا ہے؟ جارج شولٹز نے 16 دسمبر 1990 کو ایک ٹیلیویژن پروگرام میں کہا: ''عراق اگر کویت سے پیچھے ہٹ بھی جائے، تب بھی یہ ضروری ہے کہ اُس کی فوجی قوت کو روند دیا جائے۔'' جبکہ ڈک چینی نے امریکی کانگریس کو 3 دسمبر 1990 کو خطاب کیا اور کہا: ''قطعِ نظر اس سے کہ اس مسئلہ کو کس طرح حل کیا جاتا ہے، یہ ناگزیر ہے کہ اس بات کی ضمانت ہو کہ ایسا حملہ پھر کبھی نہ ہو پائے، چاہے صدام کویت سے واپس ہی کیوں نہ چلا جائے۔'' یہ یاد رکھا جائے کہ اُس وقت تک عراق، کویت اور پورا کا پورا خلیج برطانیہ کے زیر اثر ہوا کرتا تھا اور امریکہ و برطانیہ کے مابین سیاسی اور اقتصادی رسّہ کشی ہوتی تھی گو کہ دونوں کی تہذیب یعنی سرمایہ داریت مشترک ہے۔ برطانیہ کے ساتھ اس کشمکش کے ساتھ ساتھ امریکہ مسلمانوں سے بھی سیاسی، اقتصادی اور فوجی سطح پر برسرِ پیکار ہے، وہ خود سرمایہ داریت پر قائم ہے اور مسلمانوں پر اپنی اسلامی تہذیب کو خیر باد کہنے یا اسلامی تہذیب کے بیشتر افکار و تصورات کو ترک کرنے پر ابھارتا ہے۔ مسلمانوں سے امریکہ کا سیاسی، اقتصادی اور عسکری تصادم اور ٹکراؤ اُن کی تہذیب پر مبنی ہے یعنی کمزور اقوام کا استحصال کر کے انہیں اپنی نوآبادیات (کالونیاں) بنانا اور اُن قوموں کی صلاحیتوں پر اپنا تسلط قائم کرنا ہے اور یہی کچھ وہ اب وسط ایشیا میں دُہرا رہا ہے۔ اسی طرح برطانیہ سے اُس کا ٹکراؤ گو کہ اسی فکر کی بنیاد پر ہے تاہم عرب کے ساتھ کشمکش اس سے مختلف ہے۔ برطانیہ سے خلیج میں تصادم اس لئے ہو رہا ہے کہ امریکہ عالمِ جدید (نیو ورلڈ) کی قیادت مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں چاہتا ہے تاکہ وہ کمزور قوموں کے وسائل و ذخائر کو تنہا لوٹے۔ بقول سابق صدر بُش کے، امریکہ کو عالمی قیادت کا علمبردار ہونا چاہئے تاکہ دنیا میں دو قیادتوں (Bi-polar world) کی نوبت ہی نہ آئے اور

امریکہ ہی سابقہ نوآبادیاتی دنیا کا تن تنہا وارث ہو جہاں کوئی اُس کا حریف ہی نہ ہو۔ دو تہذیبوں کے درمیان کشمکش کی ایک مثال وہ تصادم ہے جو سرمایہ دار امریکہ اور سویت یونین (USSR) کے درمیان تھا، گو کہ یہ کشمکش فوجی شکل اختیار نہ کر سکی تاہم یہ سیاسی، اقتصادی اور فکری اعتبار سے کشمکش تھی جو بالآخر سویت یونین کے انہدام کے ساتھ ختم ہوگئی۔ ایک ہی تہذیب کے علمبرداروں کے درمیان تصادم کی مثال وہ کشمکش ہے جس میں ایک طرف نازی (Nazi) تھے اور دوسری جانب دیگر سرمایہ دار، اس میں ایک فریق دیگر اقوام پر جرمن نسل کی برتری کا موقف رکھتا تھا اور دوسرا فریق سرمایہ دارانہ دنیا کی یورپی اور امریکی نسلوں کو مساوی گردانتا تھا۔ البتہ یہ تصادم ایک ہی تہذیب کا اندرونی تصادم تھا جس کی بنیاد ایک مخصوص فکر تھی جس میں ایک طرف نازیوں کا موقف اور دوسری جانب اتحادیوں (Allies) کا موقف تھا۔

کرۂ ارض پر آدم علیہ السلام کے فرزندان کے درمیان تنازعے سے ہمارے زمانے تک تمام کشمکشوں کی بنیاد فکری ہی رہی ہے اور یہ اُس وقت تک قائم رہے گی جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہے گا، چنانچہ ہم نے بھی اپنی بات کا آغاز فکری تنازعہ ہی سے کیا۔

اقتصادی تصادم:

اقتصادی تنازعات زمانۂ قدیم سے چلے آ رہے ہیں البتہ اب اِن کی شکل مہیب اور زیادہ منظّم ہوگئی ہے اور یہ پہلے سے بڑھ کر جامع اور ہمہ گیر ہوگئے ہیں اور پہلے کی نسبت کہیں زیادہ تباہ کن بن گئے ہیں اور یہاں تک کہ قوی تر تہذیب کے ماننے والے کمزور تہذیبوں کے ماننے والے اللہ کے بندوں کو نہایت بے رحمی سے ہڑپ جاتے ہیں۔ گویا دنیا ایک وسیع جنگل کی مانند ہوگئی ہے جہاں طاقتور کمزور کو کھا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جہاں تک مواصلات، آمدورفت اور نقل وحمل کے ذرائع کا تعلق ہے، تو دنیا ایک چھوٹا سا قصبہ بن گئی ہے، لیکن اس کے

باوجود جہاں تک بڑی مچھلی کے چھوٹی مچھلی کو کھا جانے کا تعلق ہے، یہ دنیا ایک مہیب جنگل ہوگئی ہے۔ سرمایہ دارانہ دنیا اور بالخصوص اس کے سرغنہ امریکہ کے اعمال سے یہ بات بالکل واضح ہے، اس اقتصادی تصادم کے بعض اسالیب کچھ یوں ہیں:

1) دنیا بھر میں جو بھی خام مواد کے ذخائر موجود ہوں، اُن پر جہاں موقع ملے اپنا تسلط قائم کرنا۔

2) امریکہ کی کوشش ہے کہ ڈالر کو سونے کی جگہ عالمی کرنسی بنایا جائے، جبکہ ادھر یورپ امریکہ کے اس تسلط کو توڑنے کیلئے اپنی کرنسی یعنی یورو (Euro) استعمال کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ بعض ممالک سونے اور چاندی کے نظام پر لوٹ جانا چاہتے ہیں لیکن امریکہ بھرپور زور لگا رہا ہے کہ ایسا نہ ہونے پائے۔

3) ترقی پذیر ممالک کو بھاری صنعتوں کے قیام سے روک کر، حتیٰ کہ چھوٹی صنعتوں کے فروغ میں بھی روڑے اٹکا کر، اِن ممالک کو محض اپنی مارکیٹ بنائے رکھنا۔

4) ترقی پذیر ممالک کو عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کے ذریعے سود در سود قرضوں کے بوجھ تلے دبائے رکھنا، اس کے خطرناک نتائج بالکل ظاہر و عیاں ہیں۔

5) ترقی پذیر ممالک کے ذہین تعلیم یافتہ ماہرین اور دانشور جنہیں اپنے ہی ممالک میں مواقع دستیاب نہیں ہو پاتے اور وہ مغربی ممالک کی طرف ہجرت کرنے کیلئے مجبور ہو جاتے ہیں، اُنھیں اپنی جانب راغب کرنا۔

6) ایسی پالیسیاں وضع کرنا اور اُنھیں خاص طور پر بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کے ذریعہ نافذ و مسلط کرنا جن سے اِن ممالک میں غذائی سلامتی (Food Security) کا خاتمہ ہو جائے اور وہ مغربی ممالک کی مدد و اعانت اور قرضوں کے محتاج ہو جائیں اور اُن کے مرہونِ منت رہیں، اگرچہ یہ ممالک پہلے خود کفیل ہی کیوں نہ ہوں۔

7) علاقائی جنگوں کو ہوا دے کر اِن ممالک کو اسلحہ خریدنے پر مجبور کر دینا، پھر اگر اِس اسلحہ کو بلا استعمال کے چھوڑ دیا جائے ،تو یہ وقت کے ساتھ ساتھ پرانے ،غیر اہم اور زنگ آلود لوہے کا ذخیرہ بن جائیں،سوائے اس کے کہ اس اسلحے کو علاقائی جنگوں میں استعمال کر دیا جائے۔

8) مختلف ممالک میں یہ کوشش کرنا کہ وہاں امن وسلامتی کا فقدان رہے تا کہ اِن ممالک کی دولت محفوظ ممالک جیسے یورپ اور امریکہ پہنچ جائے جسے وہ حسبِ منشاء کسی نہ کسی بہانے سے منجمد کر سکیں۔ اگر ہم دیکھیں کہ صرف عرب ممالک کے اثاثے جو مغربی ممالک میں ہیں وہ کم از کم اندازے کے مطابق تقریباً آٹھ سو ارب ڈالر(800 Billion $) تک ہیں، پھر ہم تصور کر سکتے ہیں کہ اسلامی ممالک، جو سب کے سب بے وقعت ہیں، سے کیا کچھ لوٹا گیا ہے۔ دیگر ترقی پذیر ممالک کے اثاثے ان کے علاوہ ہیں۔

9) عالمگیریت (گلوبلائزیشن) ، نجکاری (پرائیویٹائزیشن)اور بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی سرمایہ کاری کے ذریعہ مختلف ممالک کی اقتصادیات پر اپنا تسلط قائم کرنا۔

10) اپنے ایجنٹ حکمران مسلط کرنا، وہ اور ان کی افواج اور خفیہ ادارے مغربی مفاد کے تحفظ کا کام سرانجام دیں۔

11) اپنی مسلح افواج کو بعض حساس علاقوں میں بھیجنا تا کہ وہاں اپنا اثر و رسوخ مضبوط کیا جائے ،جیسا کہ امریکہ نے خلیج ،صحرائے سینا، وسطی ایشیا اور ترکی وغیرہ میں کیا۔ اس کے علاوہ وسائل کی لوٹ کو یقینی بنانے کیلئے سمندروں میں اُن کے بحری بیڑے کا گشت۔

12) آزادی کے نام پر دنیا کو چھوٹے سے چھوٹے ممالک میں تقسیم کرنے کا عمل جس سے یہ ممالک کمزور اور لاغر ہوں اور اُن پر با آسانی کنٹرول کیا جا سکے۔

13) مغلوب قوموں پر اپنا تسلط اور غلبہ برقرار رکھنے کیلئے اُن میں اپنی تہذیب اور افکار کو رواج

دینا تا کہ وہ کسی تبدیلی اور تغیر سے غافل، اُن کے پنجوں کی گرفت میں رہیں۔

14) بعض ممالک پر پابندیاں عائد کرنا جیسا کہ امریکہ نے عراق پر کر رکھی ہیں۔ اس نے سیکیورٹی کونسل کے ذریعے قرارداد نمبر 665 منظور کرائی، جس کے تحت عراق کا بائیکاٹ کیا گیا اور عراق سے تجارت کی روک تھام کو یقینی بنانے کیلئے امریکی بحریہ کو حق دیا گیا کہ وہ قوت کا استعمال کرے۔ باب وڈورڈز (Bob Woodward) اپنی کتاب ''لیڈرز'' میں اس قرارداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''اقوام متحدہ کی 45 سالہ تاریخ میں یہ پہلی بار ہوا ہے کہ (کسی ملک پر) اقتصادی پابندیاں عائد کرنے کا حق کسی دوسرے ملک کو دیا گیا ہے۔ یہ امریکی انتظامیہ کیلئے ایک شاندار سفارتی کامیابی ہے۔''

سیاسی تصادم:

مغربی ممالک کی سرمایہ دارانہ تہذیب اور مسلمانوں کے درمیان سیاسی تصادم مندرجہ ذیل نکات سے عیاں ہے:

1) 1924ء میں مغرب کا ریاستِ خلافت کو منہدم کر دینا۔

2) فلسطین میں یہودیوں کا ملک قائم کرنا، پھر اُس کی بقاء وتحفظ اور اُس کی عسکری فوقیت بنائے رکھنا۔

3) مسلمانوں کی جماعت (امتِ مسلمہ) کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے منتشر کرنا اور اس تقسیم کیلئے مسلمانوں کو آزادی کے نام پر اُکسانا، یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کم وبیش ساٹھ (60) حصے بن گئے اور آج بھی یہ کوشش جاری ہے۔ اس تباہ کُن تفریق کے خطرات کسی بھی باشعور مسلمان کی نظر سے اوجھل نہیں ہیں۔ مسلمان بڑے جوش وانہماک سے آزادی

کے اِس تصور کی طرف راغب ہیں، اس امر کے باوجود کہ یہ تصور مسلمانوں کے افکار اور اُن کی تہذیب سے متصادم ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُنھیں حکم دیا ہے کہ وہ تفریق نہ ہوں اور ایک جماعت بن کر رہیں، لیکن مسلمان اسی تقسیم کے رستے پر گامزن ہیں، اگرچہ وہ صبح شام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ حکم تلاوت کرتے ہیں:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو'' (آل العمران: 103)

یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے والوں کی حالت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ سب اکٹھے ہوں یعنی وہ جماعت کی شکل میں ہوں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ أتاكم و أمركم جميعٌ على رجل واحد يريد أن يشق عصاكم أو يفرق جماعتكم فأقتلوه))

''جبکہ تمہارے معاملات ایک شخص پر جمع ہو جائیں اور ایسے میں کوئی دوسرا شخص آ کر تمہاری قوت کو توڑنا چاہے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالے تو اُسے قتل کر دو!''

چنانچہ لفظ جَمِيْعًا اور ایک شخص کے تحت جماعت، دونوں ہم معنی ہیں۔

4) اُن کے سیاسی نظاموں، جیسے جمہوری نظام اور بادشاہی نظام کو اسلامی ممالک میں عملی طور پر نافذ و جاری کرنا، جیسا کہ خود اُن کے ہاں ہوتا ہے، یعنی اقتدار کو تین حصّوں میں تقسیم کر دینا (انتظامیہ، عدلیہ، مقنّنہ)۔

5) اُن تحریکوں کی روک تھام کرنا جو حقیقی تبدیلی لانے کیلئے کام کر رہی ہو اور اسلامی ریاست، یعنی ریاستِ خلافتِ راشدہ کیلئے کام کر رہی ہو، اِن کو وہ لوگ کبھی انتہاء پسند، تو کبھی بنیاد پرست کہتے ہیں۔ یہ کشمکش اکثر اوقات اُن کے کٹھ پتلی ایجنٹوں کے توسط سے ہوتی ہے اور شاذ و نادر ہی یہ

تصادم براہِ راست ہوتا ہے۔ امریکی وائٹ ہاؤس (White House) میں مشرقِ وسطیٰ کے ذمہ دار افسر مارٹن انڈائک (Martin Indyck) نے کہا کہ مشرق میں امریکہ کے روبرو بڑا چیلنج یہ ہے کہ وہ اپنے دوست ممالک کو انتہاء پسندی کی روک تھام میں مدد کرے۔ (رسالہ **العربی**، شمارہ 514) اگر وہ اس کی روک تھام نہیں کر پاتے تو پھر امریکہ اسے ''اپنے ترقی پسند اور اعتدال پسند حلیفوں'' کے ساتھ مل کر سختی اور دشمنانہ انداز میں اسے ختم کرے گا۔ اِنہی دوستوں کے بارے میں نکسن نے اپنی کتاب ''سنہری موقع'' (Seize the moment) میں لکھا ہے:

''اسلامی ممالک میں سے ہر ملک کی پالیسیوں کا اسلام سے اتنا نہیں جتنا اس چیز سے ہے کہ اسلام نے اس کی قومی ثقافت اور روایات کے ساتھ کس طرح ملاپ کیا ہے... جدت پسندی... جدت پسندوں (Modernist) کی کوشش ہے کہ مسلمانوں کو سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں مہذب دنیا سے مربوط کیا جائے۔ جدت پسندوں کے اسلام کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ یہ برداشت کے داعی ہیں اور مغرب کو کافر نہیں بلکہ ''اہل کتاب'' کہتے ہیں۔ پاکستان اور ترکی ایسے جمہوری ممالک ہیں جہاں اِن جدت پسندوں کی حکومت ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اِن ترقی پسندوں کی معاونت کریں۔ امریکی سیاست کا ہدف ہے کہ صرف اِن ماڈرنسٹ (Modernist) حکومتوں ہی کے ساتھ اسٹریٹیجک تعاون کیا جائے۔ چونکہ ہمارے اور ان جدت پسندوں کے مقاصد و اہداف مشترک ہیں، لہٰذا ہمارا اِن کے ساتھ تعاون اقتصاد اور امن و سلامتی کے تمام شعبوں تک پھیلانا چاہئے... ہمارا اُن سے رشتہ سرپرستی اور نگہبانی کی حد تک نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی اِن ممالک کے لیڈروں سے ہمارے تعلقات ایسے ہوں جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ لیڈر ہمارے اور اِن ممالک کے عوام کے درمیان کڑی ہیں۔ ہمارا اُن کے ساتھ ربط ایسا ہو جیسے کہ وہ ہمارے ہم پلہ اور شریک ہیں، کیونکہ یہ ظاہر ہونا کہ یہ لوگ ہمارے مغربی پروپیگنڈے کا آلۂ کار ہیں، اِن لوگوں کو فوراً دفن کر دینے کے مترادف ہوگا۔ ہمیں اس حقیقت کو سمجھنا چاہئے کہ کبھی یہ ہمارے مفاد میں نہیں ہوتا کہ یہ لوگ ایسے مسئلے پر جو ان کے ملک میں انتہائی حساس نوعیت کا ہو، ہمارے موقف کا ساتھ

دیں۔''

امت اِن جدت پسندوں اور اعتدال پسندوں (Moderates) کو خوب پہچانتی ہے اور امت کو یہ یاد دہانی کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عراق، مصر، ترکی، ازبکستان، الجزائر، شام، لیبیا اور تیونس کے حکمرانوں نے امت کے مخلص فرزندوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

6) اقوامِ متحدہ اور سیکیورٹی کونسل کے قیام کا مقصد کمزور ممالک، جن میں اسلامی ممالک شامل ہیں، کے معاملات میں مداخلت کرنے کو حق بجانب ٹھہرانا ہے۔ اور جب امریکہ بڑے ممالک کی رسہ کشی کے باعث سیکیورٹی کونسل کے توسط سے ایسا نہیں کر پاتا تو وہ اس کونسل کو ہی ایک طرف چھوڑ کر کے ازخود اقدامات کر لیتا ہے جیسا کہ موجودہ معاملہ ہوا ہے۔ جہاں وہ ''دہشت گردی کے خلاف صلیبی جنگ'' کے نام پر اپنی مرضی تھوپ کر جس پر چاہے حملہ کر رہا ہے۔ نکسن نے اپنی مذکورہ کتاب میں امریکہ کی اس پالیسی کی وضاحت کی ہے: ''جب بھی امریکی مفادات کو خطرہ لاحق ہوگا، تو امریکہ اقوامِ متحدہ کے ساتھ تعاون کے ذریعہ اقدامات کرے گا، لیکن جب یہ تعاون ممکن نہ ہوگا تو امریکہ تنِ تنہا بغیر اقوام متحدہ کی معاونت کے ہی قدم اُٹھائے گا۔'' مساچوسیٹس یونیورسٹی (Massachusetts University) کے پروفیسر کولارڈ پاول (Collard Powell) نے اپنے ایک مضمون میں کہا: ''یہ واضح ہے کہ بین الاقوامی قانون کرۂ ارض کے مغربی نصف کرۂ پر لاگو نہیں ہوتا... ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جہاں امریکی مفاد کا تقاضا ہو، وہاں انسانی حقوق کی پامالی کو قبول کر لیا جاتا ہے۔''

7) جس ملک میں وہ یک پارٹی حکومتی نظام مسلط نہیں کرتے، وہاں منافع خوروں اور ظالموں کو جمع کرتے ہیں جنھیں وہ سیاسی پارٹیوں کا نام دیتے ہیں اور ان ہی میں سے کسی ایک کو اقتدار سپرد کر دیتے ہیں جبکہ باقی مجموعوں کو وہ اپوزیشن کا نام دے دیتے ہیں۔

یہ سیاسی تصادم کی بعض شکلیں ہیں جن سے مغربی تہذیب کے ماننے والے، مسلمانوں اور دوسروں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ ان اقدامات میں کامیاب ہونے کی وجہ ایک صالح اور دیکھ بھال کرنے والے نظام کی عدم موجودگی ہے، جسے ریاستِ خلافت وجود دیتی ہے۔

عسکری تصادم:

اب ہم اِن تہذیبوں کے درمیان ایک اور قسم کے تصادم پر بات کرتے ہیں جو فوجی نوعیت کا ہے اور جسے مسلمان جہاد کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ نہایت وسیع موضوع ہے تاہم یہاں ہم بحث اس بات پر کریں گے کہ خاص طور پر اسلامی تہذیب میں اس عسکری تصادم کے ناگزیر ہونے (Inevitability) کو ثابت کریں؛ بعض لوگ جو اقدامی جہاد (Offensive Jihad) کے واجب ہونے سے انکار کرتے ہیں یا اسلام کو محض درگزر اور امن کا دین بتاتے ہیں، ہم اُن کے موقف کا رد کریں گے، اور یہ جائزہ لیں گے کہ کیا اسلام دہشت گردی کا دین ہے؟

ہم مسلمانوں کے خلاف کفر تہذیبوں کے ماننے والوں کے اقدامات سے آغاز کرتے ہیں کیونکہ یہ محسوس بھی کئے جا سکتے ہیں اور نظر بھی آ رہے ہیں۔ چنانچہ آسٹریلیا، جس سے مسلمانوں کی کبھی لڑائی نہیں ہوئی اُس نے مشرقی تیمور پر قبضہ کر لیا، ادھر چین نے جنوبی وسطی ایشیا کے ایک پورے خطے پر قبضہ کر رکھا ہے اور دوسری طرف روس ہے جو کئی اسلامی علاقوں پر جیسے قفقاز، کریمیا اور خازان پر قابض ہے اور دہلی، کشمیر اور پورا شمالی ہند ہندوستان کے قبضہ میں ہے، امریکہ پورے خلیج پر مسلط ہے اور وسط ایشیا میں ازبکستان سے خلیج تک اور وہاں سے صحرائے سینا تک اپنا سیاسی اور عسکری رسوخ جما چکا ہے، نیز ترکی میں انسرلک (Incirlik) پر امریکہ کا فوجی اڈا قائم ہے اور افریقہ میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کیلئے وہ برطانیہ اور فرانس سے رسہ کشی میں مصروف ہے۔ ادھر برطانیہ کا رسوخ ابھی تک ایشیا اور افریقہ میں باقی ہے اور خلیج و جبلِ

طارق(Gibraltor) پر اُن کی فوجی موجودگی برقرار ہے۔ سرب(Serbs)، کروئیشین(Croats)، یونانی(Greek)، رومانی اور بلغاریہ اسلامی علاقوں پر قابض ہیں۔ اسپین کا اندلس(Andalusia)، ملاگا(Malaga) اور اشبیلیہ(Seville) پر قبضہ ہے۔ ارضِ فاتحین سسلی(Sicily)، اٹلی کے قبضہ میں ہے۔ اسی طرح بحیرہ روم(Mediterranean Sea) کے جزیرے جو سب کے سب اسلامی سرزمین ہیں اُن پر اِس وقت کفار کا قبضہ ہے۔ فلپائن اور برما بھی اسلامی علاقوں پر قابض ہیں۔ یہودی فلسطین پر قابض ہیں جو بلادشام کا ایک محاذ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا:

((یوشك أن تداعى علیكم الأمم كما تداعى الأ كلـة إلى قصعتهـا،فقال قائلٌ:ومِن قِلَّـة نحن یومئذٍ؟ قال أنتم یومئذٍ كثیر ولكنكـم غثاء كغثاء السیـل ولیترعن اللّٰه من صدور عدوكـم المهابـة منكم ولیقذ فن اللّٰه في قلوبكـم الوهن فقال قائل یا رسول اللّٰه وما الوهن؟قال حب الدنیـا و كراهیـة الموت.))

''عنقریب ہے کہ دنیا کی قومیں تمہیں نگل جانے کیلئے ایک دوسرے کو دعوت دیں جیسے کھانے والے ایک دوسرے کو اپنے بڑے پیالے کی طرف بلاتے ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا کہ کیا ایسا اس لئے ہوگا کہ ہم اُس وقت تعداد میں تھوڑے ہوں گے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ تم اُس وقت کثیر تعداد میں ہوگے لیکن سمندر کی جھاگ کی مانند ہوگے، اللہ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب زائل کر دے گا اور تمہارے دلوں میں وھن ڈال دے گا۔ پوچھا گیا کہ یہ وہن کیا ہے؟ فرمایا: دنیا سے محبت اور موت سے کراہت!(عن ثوبان ،سنن ابی داؤد)

گو کہ یہ دردناک حقائق ہی کفر تہذیبوں کے مسلمانوں سے عسکری تصادم کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں، تاہم اس حقیقت کو مزید مضبوط کرنے کیلئے کفر تہذیب کے بعض سیاست دانوں اور مفکرین

کے اقوال نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

نکسن اپنی کتاب ''بغیر جنگ کی فتح'' میں لکھتا ہے: ''حقیقی عظمت وافتخار تصادم سے بچنے میں نہیں ہے بلکہ اس کشمکش میں ہے کہ ہم اپنے اصولوں اور اقدار، اپنے مفادات اور اپنے دوستوں کیلئے لڑیں... ہمیں کسی وہم میں نہیں رہنا چاہئے کہ یہ دنیا کس طرح چلتی ہے۔ امریکیوں کا رجحان یہ ہے کہ تصادم غیر فطری ہیں اور دنیا کی تمام قوموں کے لوگ بنیادی طور پر ملتی جلتی قسم کے ہیں اور آپسی اختلافات غلط فہمی کے باعث ہوتے ہیں، نیز یہ کہ مکمل اور دائمی امن ایک ایسا ہدف ہے جسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن تاریخ اِن افکار کی نفی اور تردید کرتی ہے کیونکہ ہر قوم دوسری قوم سے بنیادی پہلوؤں میں مختلف ہوتی ہے، اُن کے مادی مفاد، تاریخ اور نظریاتی محرکات جدا ہوتے ہیں۔ تنازعات عام طور پر اِنہی اسباب کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔ ایک کے دوسرے سے ٹکراتے مفاد اور باہمی تقسیم مسلسل تنازعات کو جنم دیتی ہے جو آخر میں جنگ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں... مکمل امن یعنی ایسی دنیا کا وجود جہاں تصادم ہی نہ ہو، محض ایک خوش خیال وہم ہے، ایسا نہ کبھی ہو پایا ہے اور نہ ہی کبھی ہوسکتا ہے۔'' نکسن ہی اپنی کتاب ''سنہری موقع'' میں لکھتا ہے: ''ہمارا مفاد اُس وقت اہم ترین ہوجاتا ہے جب امریکہ کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو، لہٰذا مغربی یورپ، جاپان، کینیڈا، میکسیکو اور خلیجی ممالک کا آزاد رہنا، ہمارے لیے نہایت اہم مسئلہ (Strategic Interest) ہے۔ یہ بھی ہمارے لئے نہایت اہم مسئلہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک ایٹمی اسلحہ حاصل نہ کرلیں۔ امریکہ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ جہاں اُس کے مفادات کو خطرہ ہو، وہ قوت کا استعمال کرے۔ چنانچہ جمہوری حکومتوں، جیسے جنوبی کوریا اور اسرائیل، کی حفاظت کرنے کیلئے اگر طاقت کا استعمال ضروری ہوا تو ہم اس کیلئے تیار ہیں۔''

23 جنوری 1980 کو کارٹر نے امریکی کانگریس سے اپنے اسٹیٹ آف دی یونین خطاب میں کہا: ''ہمارا یہ موقف بالکل واضح رہے کہ کسی بھی خارجی قوت کی جانب سے خلیجی علاقے پر کنٹرول کی کوئی بھی کوشش، امریکہ کے اسٹریٹیجک مفاد (Strategic Interests) پر حملہ

تصور کیا جائے گا اور ایسے حملہ کا مقابلہ کسی بھی طریقہ سے کیا جائے گا خواہ یہ فوجی قوت سے ہی ہو۔''

2 نومبر 1990 کو ہنری کسنجر نے رسالہ *Yediot Aharanot* میں مقالہ شائع کیا جس کا عنوان ''اے امریکہ! جلد ہی تمہاری بچاؤ کی قوت (Deterrent Force) ختم ہو جائے گی!'' وہ کہتا ہے: ''بلاشبہ عسکری راستہ دردناک اور سخت ہے، نیز اس سے اسلامی ممالک میں احتجاجی مظاہروں کا بھی اندیشہ ہے اور اس سے دہشت گردی کی نئی لہر بھی اُٹھ سکتی ہے جس سے یہ تصادم اور وسیع ہو جائے گا۔ اس کے باوجود اِن خطرات کا موازنہ اُس آنے والے وقت میں اس سے شدید تر تصادم سے کیا جائے جو امریکہ کی کمزوری ظاہر ہونے سے علاقے میں معتدل حکومتیں گرنے اور کشمکش میں مزید اضافہ سے ہوگا جس سے سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔''

18 ستمبر 2001 کو انٹرنیٹ پر رسالہ ''امیریکتان'' میں ایک انٹرویو شائع ہوا جو فرانسیسی اخبار ''لے فگارو'' (*Le Figaro*) نے جیمز شلیسنگر (James Schlesinger) کے ساتھ کیا تھا جو امریکہ کا سابق وزیر دفاع اور نکسن کا مشیر رہ چکا ہے اور آج کل وہ (Centre for International & Strategic Studies) کے لئے کام کرتا ہے۔ اُس نے کہا تھا: ''اِن تنظیموں (Networks) کو اکھاڑ پھینکنے کے کام میں طویل عرصہ درکار ہے کیونکہ ان کی ارادے مضبوط ہیں اور یہ مضبوطی اُن کے اپنے موقف پر مکمل یقین رکھنے کی وجہ سے ہے۔''

ٹی وی چینل ''الجزیرۃ'' پر ''صدی کی پہلی جنگ'' کے تحت پروگرام میں اخبار واشنگٹن پوسٹ کے حوالہ سے بتایا گیا کہ ہنری کسنجر اپنے مقالے ''انتقام ناکافی ردِّعمل ہے'' میں کہتا ہے: ''یہ ضروری ہے کہ جو کچھ ہوا اُس کے جواب میں، اُس نظام پر حملہ کرنا ہوگا جس نظام کے تحت یہ خطرہ پیدا ہوا۔''

NATO کے سابق سکریٹری جنرل کلاؤس نے باضابطہ اعلان کیا کہ سوویت یونین کے بعد نیٹو

اب اسلام کو اپنی دشمنی کا ہدف مانتا ہے۔ جبکہ BBCOnline.net نے صدر جارج بش کے حوالہ سے 17 ستمبر 2001 کو کہا: ''دہشت گردی کے خلاف یہ صلیبی جنگ طویل عرصہ تک جاری رہے گی۔''

امریکہ کے رسالہ ''فارن افیئرز'' (Foreign Affairs) میں سیموئیل ھٹنگٹن نے لکھا ہے: ''اس بات کا بہت کم امکان ہے کہ مغرب اور اسلام کے درمیان صدیوں سے جاری یہ عسکری تصادم کمزور یا ڈھیلا پڑ جائے گا، بلکہ قوی امکان اس بات کا ہے کہ اس تصادم کی سفاکی اور شدت مزید بڑھ جائے گی۔''

شمعون پیریز نے اپنی کتاب ''جدید مشرق وسطیٰ'' میں لکھا ہے: ''.....ہم باعزم قوم ہیں، اس دنیا میں ایسی کوئی قوت نہیں ہے جو ہمیں پچاس نسلوں تک بکھر کر رہنے کے بعد یہاں سے نکلنے پر آمادہ کر سکے، وہ پچاس نسلیں جو دربدری، ظلم، اذیت اور بربادی میں رہیں۔ ہم اس مقام سے جو ہمارے لئے واحد جگہ ہے، جہاں ہم اپنی آزادی کی تجدید کر سکتے ہیں، اپنی حفاظت کی ضمانت دے سکتے ہیں اور جہاں ہم عزت اور وقار سے رہ سکتے ہیں، ہرگز نہیں جائیں گے۔''

نیویارک پوسٹ (New York Post) میں Steve Dunleavy نے 11 ستمبر کے واقعہ کے بعد لکھا: ''اِن حرام زادوں کو قتل کر دو، قاتلوں کی تربیت کرو، کرائے کے قاتل لاؤ اور اُن سے سودا کرو، لاکھوں ڈالر اِن حرام زادوں کو ڈھونڈ نکالنے کیلئے مقرر کرو تا کہ اُن کو زندہ یا مردہ پکڑا جا سکے، بہتر ہے مردہ پکڑو۔ اُن شہروں کو جہاں یہ کیڑے پلتے ہیں، اُن پر اور اُن کے باسکٹ بال کے میدانوں پر بمباری کرو۔''

تہذیبی تصادم کا انکار کرنے والوں کے شکوک وشبہات:

یہ مغرب کے اقوال اور اعمال کا پلندہ تھا، اُن کے افعال اُن کے اعمال کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ تاہم اس کے باوجود بعض سادہ لوح، سیدھے مسلمان اور بعض بھٹکے ہوئے

مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ اُن کے ساتھ گفت وشنید جاری رہے، ایسے مسلمان تہذیبوں کے درمیان اس کشمکش کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ اس امت کے بعض افراد کو اصرار ہے کہ مذاہب کے مابین مکالموں کا سلسلہ جاری رہے اور وہ عیسائیت کو اس مکالمے کیلئے مخصوص کرتے ہیں، پھر وہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان مشترکہ امور تلاش کرتے ہیں جیسے الحاد کا مقابلہ کرنا۔ وہ یا تو بھول جاتے ہیں یا بھول جانے کا ڈھونگ کرتے ہیں کہ تمام کا تمام کفر ایک ملت ہے:

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ﴾

''تمہارے لئے تمہارا دین ہے'' (الکافرون: 6)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام کفار کو ایک ہی جمع کے صیغہ میں مخاطب فرمایا ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾

''کہہ دو: اے کافرو'' (الکافرون: 1)

پھر اُن سب کے دین کیلئے واحد کا صیغہ استعمال کیا:

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ﴾

''تمہارے لئے تمہارا دین'' (الکافرون: 6)

بعض ایسے افراد ہیں جو عیسائیوں سے اس لئے مکالمہ چاہتے ہیں کہ اس سے فلسطین کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ وہ یہ امر بھول جاتے ہیں کہ اِن یہودیوں کا یہ ملک کس نے بنایا، کون اس کی حفاظت کرتا ہے؟ مال، اسلحہ اور دیگر امداد کون فراہم کرتا ہے؟ وہ یہی کافر ممالک ہیں جو سرمایہ دارانہ نظام کو اپنائے ہوئے ہیں۔ بہرحال اِن گمراہ افراد کی یہی ذمہ داری ہے کیونکہ یہ افراد فکری ایجنٹ (Intellectual Agent) ہیں۔ پھر جہاں تک بھولے بھالے لوگوں کا تعلق ہے، تو یہ افراد لغویات میں گرفتار اور لاحاصل مشغلے کا شکار ہیں، ایسے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کی دعوت پر

ایسے جلسوں، کانفرنسوں اور مباحثوں میں شریک ہوتے ہیں جہاں کی جانے والی بحثیں مبہم اور غیر واضح ہوتی ہیں جن کا مقصد ہمیں اپنے دین سے دور کرنا اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرنا ہے اور اس کام میں یہ لوگ کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾

''نہ یہودی تم سے کبھی راضی ہونگے اور نہ ہی عیسائی، جب تک کہ تم ان کے مذہب پر نہ چلنے لگ جاؤ۔ کہہ دو، ''اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے'' اور اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آ چکا ہے، تم ان کی خواہشوں پر چلے، تو اللہ سے بچانے کو، نہ تو تمہارا کوئی دوست ہوگا نہ مددگار'' (البقرة: 120)

﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ﴾

''وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرمی کریں'' (القلم: ۹)

یعنی آپ ﷺ اُن کی جانب میلان کریں۔ گو کہ یہ آیت مشرکینِ مکہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی تاہم اس کا اطلاق ہر کافر اور مشرک پر یکساں ہوگا۔ متعدد قطعی آیات سے ثابت ہے اور صحابہ کا اس پر اجماع رہا ہے، نیز امت جانتی ہے کہ اہلِ کتاب کفار ہیں لہٰذا اُن سے مفاہمت کرنا یا اُن کی جانب رجحان رکھنا جائز نہیں ہے۔ اس کے برخلاف یہ واجب ہے کہ اُن کے دین کا باطل ہونا ظاہر کیا جائے، اُن کا کفر و جھوٹ عیاں کیا جائے اور اُنھیں دینِ حق یعنی اسلام کی دعوت دی جائے۔ ریاستِ خلافت کے قائم ہو جانے کے بعد اُنھیں اسلام کی دعوت دی جائے گی اور پھر اگر وہ انکار کریں تو اُن کو جزیہ ادا کرنا ہوگا، نیز اُس سے بھی انکار کی صورت میں ان کے اور ہمارے درمیان تلوار ہوگی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ قول:

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾

''اور اہلِ کتاب سے بحث بس اُس طریقہ سے کرو جو بہتر ہو'' (العنکبوت: 46)

یہاں آیت کے اس حصہ سے استدلال کرنا اور آیت کے بعد والے حصہ کو فراموش کر کے سکوت اختیار کر لینا محض فریب ہے، کیونکہ اس کے بعد اسی آیت میں فرمایا:

﴿... إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَه مُسْلِمُوْنَ﴾

''رہے وہ لوگ جو ان میں ظالم ہیں، ان کی بات دوسری ہے۔ اور کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر جو ہماری طرف نازل ہوئی اور تمہاری طرف بھی نازل ہوئی اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں'' (العنکبوت: 46)

چنانچہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ (بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَن'' احسن طریقے سے مباحثہ'') سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے قتال کیا، نہ کہ وہ جنھوں نے جزیہ ادا کیا۔ لہٰذا ناگزیر ہے کہ اُن پر فتح حاصل کی جائے نہ کہ اُن سے جِدَال بِالتِی هِی اَحْسَن کا معاملہ کیا جائے۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ قول:

﴿وَقُل لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُوْنَ O وَانْتَظِرُوْا إِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾

''جو لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں ان سے کہہ دو: تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ، ہم بھی کر رہے ہیں۔ تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار میں ہیں'' (ھود: 122-121)

اس آیت سے استدلال کر لینا کہ ''ہم اپنی جگہ خوش رہیں اور تم اپنی جگہ خوش'' یہ بھی خطا ہوگی کیونکہ اس حکم میں ڈانٹ، دھمکی اور وعید کا اشارہ ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اُنھیں ڈرائیں، وعید

سنائیں اور اُن سے قتال کریں یہاں تک کہ یا تو وہ قبول کرلیں یا پھر جزیہ دیں۔ اب اس میں ''ہم اپنی جگہ خوش رہیں اور تم اپنی جگہ خوش'' کہاں سے آئے گا؟ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ قول:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئِيْنَ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ أَشْرَكُوْٓا إِنَّ اللّٰـهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾

''جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے یہودیت اختیار کی اور صائبیت اور عیسائیت اور مجوسیت اور جن لوگوں نے شرک کیا... ان سب کے درمیان اللہ قیامت کے روز فیصلہ کردے گا۔ بے شک ہر چیز اللہ کی نظر میں ہے'' (الحج: 17)

اِس آیت سے یہ استدلال کیونکر ہوگا کہ ہمارے اور اُن کے درمیان عقیدہ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں جو اختلاف ہے اسے فراموش کردیا جائے؟ جبکہ یہ وہ اختلاف ہے جس کی بنیاد پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اور اُنھیں قیامت کے دن علیحدہ کرے گا۔ ہاں اگر اس سے مراد صرف اس قدر ہے کہ اُنھیں دینِ اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے، تو یہ البتہ صحیح ہوگا اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں قیامت کے دن علیحدہ کرے گا، تو یہ بھی درست ہے۔ لیکن اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اُنھیں دینِ حق کی دعوت نہ دی جائے، تو یہ قول باطل ہوگا کیونکہ یہ ہم پر فرض ہے کہ ہم اُنھیں دعوت پیش کریں تاکہ یا تو وہ اس کو قبول کرلیں یا پھر جزیہ ادا کریں یا پھر ان سے قتال کیا جائے۔ لیکن اگر اس موقف سے یہ مطلوب سمجھا جائے کہ اُن سے قتال نہ کیا جائے تو یہ غلط ہے کیونکہ اقدامی قتال یا قتال الطلب فرض ہے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ قول:

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾

''اللہ تمہیں اس سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور انھیں ان کے حصے کی

مالی مدد پہنچاؤ جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے اپنے گھروں سے نکالا، یقیناً اللہ مستحقین کا حق ادا کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے'' (الممتحنة: 8)

اس آیت کا اس موضوع سے تعلق نہیں، کیونکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ میں ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی، تو یہ استدلال اس بحث سے خارج ہے اور اگر مراد یہ لی جائے کہ تمام وہ کفار جنھوں نے ہم سے نہ تو قتال کیا اور نہ ہی ہمیں ہمارے گھروں سے نکالا، تو پھر بھی یہ استدلال صحیح ہوگا۔ ظاہر بات ہے کہ اس میں وہ کفار شامل نہیں ہوں گے جنھوں نے فلسطین کے مسلمانوں سے قتال کیا، اُنھیں گھروں سے نکالا یا نکالنے میں مدد کی۔ اسی طرح اس میں وہ کفار بھی شامل نہیں ہوں گے جو اب افغانستان میں مسلمانوں سے قتال کر رہے ہیں، اُنھیں گھروں سے نکال رہے ہیں یا اُن کے نکالنے میں معاونت کر رہے ہیں، نیز وہ کفار بھی شامل نہیں ہوں گے جو دوسری خلیجی جنگ کے بعد عراق میں ہم سے لڑ رہے ہیں نہ ہی وہ جو کشمیر، چیچنیا یا دیگر مقامات پر ہم سے برسرِ پیکار ہیں۔

اگر سورۂ انفال کی یہ آیت بطورِ دلیل پیش کی جائے:

﴿وَإِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾

''اور اگر وہ صلح اور سلامتی کی طرف جھکیں، تو تم بھی ان کیلئے جھک جاؤ'' (الأنفال: 61)

اور یہ کہا جائے کہ اسلام امن کا دین ہے اور امن ہی اصل ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کو مندرجہ ذیل آیت کے ساتھ دیکھا جائے گا:

﴿فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ﴾

''پس ایسا نہ ہو کہ تم ہمت ہار جاؤ اور صلح کی دعوت دینے لگو، جبکہ تم ہی غالب ہو'' (محمد: 35)

جب مسلمان عزت و وقار کے ساتھ ہوں اور اُن کے پاس طاقت ہو، نیز وہ ایک جماعت کی

حیثیت سے ہوں تو صلح نہیں ہوگی اور یہ طے کرنا خلیفہ کی صوابدید پر منحصر ہوگا کہ صلح کرنے یا نہ کرنے سے کیا فوائد یا نقصانات ہو سکتے ہیں۔ یہاں کسی اور کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں سوائے یہ کے کہ خلیفہ کی جانب سے کسی شخص کو اس کام کیلئے تفویض کیا گیا ہو۔ پھر اگر دلیل یہ پیش کی جائے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم سب مکمل امن/اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو؛ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے'' (البقرۃ: 208)

اس آیت کے ذیل میں دیکھا جائے گا کہ اس کے مخاطب کون ہیں، نیز یہاں السِّلْم سے کیا مراد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا کے مخاطب مسلمان بھی ہو سکتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو رسول اللہ ﷺ سے پہلے کے انبیاء کرام پر ایمان لائے تھے نیز السِّلْمِ سے مراد اسلام بھی ہو سکتا ہے اور امن بھی۔ اگر اس سے مراد وہ لوگ لئے جائیں جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے، تو اُن سے یہ کہنے کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا کہ وہ مؤمنین کے ساتھ امن و صلح کر لیں کیونکہ وہ لوگ مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہیں بلکہ اُن ہی کی طرح ایمان والے ہیں؛ اُن سے یہاں کہا گیا ہے کہ وہ کامل طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں، شریعت کی مکمل اطاعت کریں، حدود اور احکام کو پورا کا پورا قائم کریں، ایسا نہ کریں کہ بعض چیزوں کو اختیار کر لیں اور بعض کو ترک۔ اگر یہ خطاب اُن لوگوں سے ہے جو سابقہ انبیاء پر ایمان لائے تھے، تو اس سے مراد یہ نہیں ہوگا کہ وہ امن میں داخل ہو جائیں کیونکہ ایسا قرآن میں کہیں نہیں آیا ہے، امام طبری فرماتے ہیں: ''جہاں تک اُنھیں ابتداء میں صلح کی طرف بلانے کی بات ہے، تو ایسا قرآن میں نہیں ہے۔''

لہٰذا اس کے معنی یہی ہوں گے کہ اُنھیں اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے؛ چنانچہ اس آیت کا مخاطب جو بھی ہو، اس میں اس بات کی کہیں دعوت نہیں کہ مسلمان کفار

کے ساتھ صلح اور آپسی امن کا معاہدہ کرلیں۔

پھر اگر حجت یہ پیش کی جائے:

﴿ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴾

''تو وہ اگر تم سے الگ رہیں اور تم سے نہ لڑیں اور صلح کیلئے تمہاری طرف ہاتھ بڑھائیں، تو ان کے خلاف اللہ نے تمہارے لئے کسی اقدام کا جواز نہیں رکھا ہے'' (النساء: 90)

اگر اس آیت سے یہ اخذ کیا جائے کہ مسلمانوں کیلئے ایسے کفار سے قتال کی ابتداء کرنا حرام ہے جو امن چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ قتال میں شامل نہیں ہیں، تو یہ آیت اُن منافقین کے بارے میں ہے جو اُن لوگوں سے دوستی کرلیں اور اُن کے پاس پہنچ جائیں جن سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہو، یعنی وہ 'معاہد' کے حکم میں آجائیں گے، یا وہ لوگ جنھیں مسلمانوں سے قتال ناپسند ہو لیکن وہ مشرکوں کے ساتھ آنے پر مجبور ہوں اور پھر قتال میں شامل نہ ہوں، جیسے جنگِ بدر کے وقت کچھ لوگ مشرکوں کے ساتھ تھے۔ پس اس آیت کے مطابق ہمارے لئے ایسے لوگوں پر کوئی راہ نہیں ہوگی۔

پھر اگر یہ جواز پیش کیا جائے:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴾

''اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو، جو تم سے لڑیں، مگر زیادتی نہ کرو؛ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا'' (البقرة: 190)

اور اس بناء پر کہا جائے کہ کفار سے قتال کی پہل کرنا دشمنی اور ظلم ہوگا، لہٰذا یہ ہمارے لئے ممنوع

ہے۔ تو اس آیت کا موضوع وہ خواتین اور بچے ہیں جو قتال کرنے والوں کے ساتھ موجود ہیں لیکن قتال میں شریک نہیں ہوئے، پس اُن کو نشانہ بنانے کی ممانعت کی گئی ہے، یعنی مقاتلین سے تجاوز کر کے اُن کے ساتھ عورتوں اور بچوں سے قتال نہ کرنا اس آیت کا موضوع ہے۔

پھر اگر یہ جواز پیش کیا جائے:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ﴾

''جن (مسلمانوں) سے جنگ کی جارہی ہے انہیں بھی (مقابلے کی) اجازت دی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور یقیناً اللہ ان کی مدد کی پوری قدرت رکھتا ہے'' (الحج: 39)

اور اس سے یہ استدلال کیا جائے کہ قتال کی اجازت اُن لوگوں کیلئے ہے جن پر کسی نے ظلم کی پہل کی ہو، تو یہ اس بنا پر غلط ہے کہ قتال کا حکم مطلق ہے اور اس میں مظلوم کے حال کی قید نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا فرمایا، یہ قتال کے حکم کیلئے شرعی علت نہیں بلکہ وصفِ حال ہے۔ مشرکینِ مکہ جب مسلمانوں پر ظلم کرتے اور شدید ایذائیں پہنچاتے، تو مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس زخموں سے چور حالت میں آتے اور اس ظلم و زیادتی کی شکایت کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اُنھیں صبر کی تلقین فرماتے اور اُنھیں سمجھاتے کہ ابھی آپ ﷺ کو قتال کی اجازت نہیں ملی ہے اور ہجرت تک یہی ہوتا رہا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اُنھیں اب قتال کی اجازت دی گئی۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اصحاب رسول کو جب ایذائیں پہنچائی جاتیں تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرتے تاکہ مشرکین سے قتال کر سکیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴾

''بے شک اللہ کسی خائن، ناشکرے کو پسند نہیں کرتا'' (الحج: 38)

پھر جب ہجرت ہوگئی تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ﴾

''جن (مسلمانوں) سے جنگ کی جارہی ہے انہیں بھی (مقابلے کی) اجازت دی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور یقیناً اللہ ان کی مدد کی پوری قدرت رکھتا ہے'' (الحج: 39)

لہٰذا یہ مانا جائے گا کہ یہ آیت مسلمانوں سے اپنے اوپر ہونے والی اذیتوں کے ازالہ کیلئے قتال کی پابندی اُٹھائے جانے کیلئے نازل ہوئی۔ چنانچہ یہ ایک مخصوص حالت کیلئے ہے جہاں **دلالت الإشارة** کے ذریعہ قتال کے حکم کا استفادہ ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر یہاں بیان پابندی اُٹھائے جانے اور ظلم واذیت کے تدارک کیلئے قتال کی اجازت کا ہے۔ چنانچہ یہ آیت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں قتال کے مشروع ہونے کو واضح نہیں کر رہی، بلکہ اذیت وظلم کے تدارک کیلئے قتال کے مشروع ہونے کو واضح کر رہی ہے۔ پس اِس آیت اور سورۂ التوبہ کی آیات میں کسی قسم کا ٹکراؤ نہیں ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ سورۂ التوبہ کی آیات بعد کی ہیں۔ یوں اس آیت میں نہ کوئی نسخ آیا ہے، نہ کوئی تخصیص اور نہ ہی کوئی تقید۔

پھر اگر حجت میں یہ حدیث پیش کی جائے جو عبداللہ ابن ابی اوفیؓ سے روایت ہے اور جسے بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے:

((يَاأَيُّهَا النَّاس، لا تتمنوا لقاء العدو وسئلوا اللّٰهَ العافية فإذا لقيتموهم فأصبروا واعلموا أنَّ الجَّنة تحت ظلال السيوف))

''اے ایمان والو! دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو نہ کرو اور اللہ سے عافیت طلب کرو۔ پھر جب مڈبھیڑ ہو جائے تو اُس پر صبر سے قائم رہو اور جان رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔''

اس حدیث کا آپسی امن سے کوئی ربط نہیں ہے کیونکہ اس میں تو دشمن سے مڈبھیڑ یا قتال کی تمنا رکھنے کی ممانعت آئی ہے، نہ کہ قتال کی ممانعت، اسی طرح نہ ہی اس حدیث میں دشمن سے امن کر لینے کا کوئی حکم وارد ہوا ہے۔ اس حدیث کے ذیل میں علماء نے کہا ہے کہ دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا کی

ممانعت اس اکڑ اور تکبر کے باعث ہے جو اس تمنا میں مخفی ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال بے محل ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی استدلال لائے جاتے ہیں جو نہ تو مسترد کئے جانے کے قابل ہیں اور نہ ہی قابلِ ذکر، تاہم ہم یہاں اُن کا ذکر محض یہ ثابت کرنے کیلئے کرتے ہیں کہ ایسے استدلال کرنے والے افراد ثبوت اکٹھا کرنے کیلئے کیا کچھ کر لیتے ہیں۔ اُن کا موقف بس اتنا ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے، نہ کہ کشمکش، ٹکراؤ اور جہاد کا۔ اُن کی نظر میں اسلام امن، سلامتی اور معافی کا دین ہے۔ اُن کے بعض استدلال حسبِ ذیل ہیں جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے یہ فرمان:

﴿ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴾

''اور خوف سے امن دیا'' (قریش: 4)

﴿ حَرَمًا اٰمِنًا ﴾

''ایک پرامن حرم'' (العنکبوت: 67)

﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ﴾

''اور یہ پرامن سرزمین'' (التین: 3)

﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾

''اور ان کی خوف کی حالت کے بعد اسے ان کیلئے امن و بے خوفی سے بدل دے گا'' (النور: 55)

یا وہ اس حدیث سے اخذ کرتے ہیں:

((من أصبح منكم آمناً في سربه))

''تم میں جو کوئی اپنے لوگوں میں بحالتِ سلامتی صبح اُٹھے''

بے شک ان آیات کو کفار سے عدم جہاد کے لیے دلیل بنانا شرع کی تذلیل اور لوگوں کے اذہان کی توہین کرنا ہے۔

اقدامی جہاد کے منکرین کے شبہات کا رد

وہ لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے، اقدامی قتال یعنی کفار پر حملے کی ابتداء کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ گو کہ دفاعی جہاد کو تو تسلیم کرتے ہیں لیکن اقدامی جہاد کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں سے بعض کا موقف یہ ہے کہ موجودہ دور میں یہ لازم نہیں رہا کیونکہ اب مادی رکاوٹوں کو عبور کر کے کفار تک دین کی دعوت پہنچائی جاسکتی ہے اور اِن مادی رکاوٹوں سے الجھنا ضروری نہیں رہا، اُن کے مطابق مادی رکاوٹوں کو عبور کر کے دعوت پہنچانے کیلئے انٹرنیٹ، ریڈیو، ٹی وی، کتب، میگزین ورسائل کی اشاعت، مساجد کی تعمیر اور کفار کے شہروں کے بیچ اسلامی مرکزوں کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ نیز لوگوں سے براہِ راست رابطہ کر کے اُنھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ یہ وسائل اقدامی جہاد کے قائم مقام ہیں، جبکہ حقیقت میں ایسا موقف نصوصِ قرآن، سنتِ رسول ﷺ اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے براہِ راست ٹکراتا ہے جن سب میں ہمیں یہ حکم ہے کہ اگر وہ دین کو قبول نہ کریں یا جزیہ نہ دیں اور خود کو اسلامی احکام کے تابع کرنے سے انکار کر دیں، تو قتال کی ابتداء ہم کریں خواہ اُنھوں نے قتال کی پہل نہ کی ہو۔ اِن تمام نصوص میں اس علت کی قید نہیں ہے کہ اقدامی جہاد صرف اس ہی وقت کیا جاسکتا ہے جب قولی تبلیغ کا کوئی امکان نہ رہے۔

جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے تو اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَلاَ يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ﴾

''وہ اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخر پر اور نہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام قرار دیتے ہیں اور نہ دینِ حق کی پیروی کرتے ہیں، ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینے لگیں'' (التوبہ: 29)

﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾

''اور مشرکین سے جنگ کرو تم سب کے سب جس طرح وہ سب کے سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے'' (التوبة: 36)

﴿يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾

''اے نبی! کافروں اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ، آخر کار ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور وہ بدترین جگہ ہے'' (التوبة: 73)

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيْلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

''بے شک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لئے

ہیں۔ وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں تو وہ مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔ یہ اللہ کا تورات، انجیل اور قرآن میں (کیا گیا) ایک پختہ وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کا پورا کرنے والا ہو بھی کون سکتا ہے؟'' (التوبة:111)

﴿ يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلِيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰـهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾

''اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو جو تمہارے قریب ہیں اور چاہئے کہ وہ تم میں سختی پائیں اور جان رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے'' (التوبة: 123)

مندرجہ بالا آیات سورۂ توبہ کی تھیں اور آخر میں نازل ہوئیں، اس کے بعد ایسا کچھ وارد نہیں ہوا جو اِن کی تخصیص کرے، یا انہیں مقید اور منسوخ کرے۔ لہٰذا یہ آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ جہاد میں اقدامی حملے اور دفاعی قتال دونوں شامل ہیں۔ جہاں تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ان اقوال کا تعلق ہے:

﴿وَإِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾

''اور اگر وہ صلح اور سلامتی کی طرف جھکیں، تو تم بھی ان کیلئے جھک جاؤ'' (الأنفال: 61)

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾

''اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو، جو تم سے لڑیں، مگر زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا'' (البقرة: 190)

﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ﴾

''جن (مسلمانوں) سے جنگ کی جارہی ہے انہیں بھی (مقابلے کی) اجازت دی جاتی ہے اس

لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور یقیناً اللہ ان کی مدد کی پوری قدرت رکھتا ہے‘‘ (الحج: 39)

یہ تمام آیات اور اس طرح کی دیگر آیات سے سورۂ التوبہ کی آیات کے عموم کی تخصیص نہیں ہوتی، نہ ہی یہ مطلق کو مقید کرتی ہیں کیونکہ ایسی تمام آیات سورۂ التوبہ سے قبل نازل ہو چکی تھیں اور متقدم یعنی پہلے والی آیات سے بعد والی آیات نہ تو مخصوص ہوتی ہیں اور نہ مقید۔ اس لئے کہ تخصیص حقیقت میں حکمِ عام کا جزوی (Partial) ناسخ ہوتی ہے۔ اس میں حکم کی عمومیت کے کچھ حصہ کو ختم کر کے اُس کی جگہ نیا حکم بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب تخصیص کی حیثیت ناسخ کی مانند ہوئی، اور ناسخ کا منسوخ کی بہ نسبت متأخر (بعد میں نازل ہونا) ہونا شرط ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ آیات وہ نہیں جن سے سورۂ توبہ کی آیات کی تخصیص ممکن ہو کیونکہ یہ سورۂ توبہ کی آیات سے پیشتر نازل ہو چکی تھیں اور سورۂ توبہ کی آیات وہ ہیں جو جہاد کے بارے میں آخری احکام ہیں، چنانچہ اِن کی تخصیص نہیں کی جا سکتی۔ پھر جو بحث ابھی تخصیص کے سلسلے میں ہوئی، وہی معاملہ تقید کا بھی ہے، لہٰذا یہ لازمی ہے کہ نصِ مطلق کو مقید کرنے والی نص، یا تو مطلق نص کے بعد نازل ہوئی ہو یا پھر اسی کے ساتھ ساتھ، تب ہی وہ اُس مطلق کو مقید کر پائے گی، یا تاکہ مطلق کا مقید پر محمول کرنا صحیح ہو۔ چنانچہ عمومی نص تخصیص کرنے والی نص کی عدم موجودگی کے سبب عمومی ہی رہے گی، نیز نصِ مطلق بھی اسی طرح کسی نصِ مقید کے نہ ہونے کے باعث (جس سے اس مطلق کو مقید یا اس پر محمول کیا جا سکے)، مطلق ہی رہے گی۔

سنت کے تعلق سے دیکھا جائے تو شیخین نے عبداللہ ابن عمر ﷺ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله و أن محمداً رسول الله، و يقيموا الصلاة و يؤتوا الزكوة فإذا فعلو عصموا مني دماء هم و أموالهم إلا بحقها و حسابهم على الله))

''مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ اس بات کی شہادت نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اگر وہ ایسا کریں تو ان کا خون اور اُن کا مال میرے لئے حرام ہوگا، سوائے اس کے کہ جو بحق ہو اور اُن کا حساب اللہ پر ہوگا''

یا جیسے ایک دوسری روایت کے الفاظ آتے ہیں:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا أن لا إله إلا اللّٰه فإذا قالوها فقد عصموا منى دماء هم وأموالهم إلَّا بحقِّها و حسابهم على اللّٰه))

''مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ یہ نہ کہہ دیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں ہے۔ پھر جب وہ ایسا کہہ دیں، تو اُن کی جان اور اُن کا مال مجھ سے محفوظ ہو گیا سوائے اُس کے جو بحق ہے اور اُن کا حساب اللہ پر ہوگا۔''

اور اسی طرح جو مسلم میں سلیمان بن بریدۃ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی فوج یا سریہ پر امیر مقرر فرماتے تو اسے تقویٰ کی نصیحت اور مسلمانوں سے بھلائی کی تلقین کرتے اور فرماتے:

((اغزوا باسم اللّٰه في سبيل اللّٰه، قاتلوا مَن كفر بالله، اغزوا ولا تَغُلّوا، ولا تغدُروا ولا تُمثلوا، ولا تقتلوا وليداً و إذا لقيت عدوك مِن المشركين فادعهم إلى ثلاث خصال، أو خِلال، فأيتهنَّ ما أجابوك فاقبل منهم و كفّ عنهم، ثم ادعُهُم إلى الإسلام، فإن أجابوكَ فاقبل منهم، و كف عنهم...، إلى أن قال: فإن هُم أبَوْا فسدفلهم الجزية، فإن... أجابوك فاقبل منهم و كفّ عنهم، فإن هم أبَوْا فاستعن باللّٰه و قاتلهم...))

''اللہ کی راہ میں اللہ کے نام سے اُن لوگوں سے لڑو جو اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ حملہ کرو، لیکن

سخت کلامی یا گالی مت دو، دھوکہ مت دو، جسم کا عضو مت کاٹو، نومولود کو نہ مارو۔ اور جب تمہارا دشمنوں سے یعنی مشرکین سے سامنا ہو تو اُنہیں تین باتوں کی طرف بلاؤ یا اُن میں سے ایک کی طرف۔ پھر اگر وہ مان لیں، تو اسے قبول کرلو اور اُن سے لڑائی مت کرو۔ (پہلے) اُنہیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ قبول کرلیں تو مان لو اور اُن سے نہ لڑو... یہاں تک کہ پھر فرمایا: اگر وہ یہ بات نہ مانیں، تو اُن سے جزیہ کا مطالبہ کرو، اگر وہ تسلیم کرلیں، تو تم قبول کرلو اور اُن سے مت لڑو، اگر وہ (یہ بھی) قبول نہ کریں، تو اللہ سے مدد و نصرت طلب کرو اور ان سے لڑو"

یہ دونوں احادیث صریح ہیں کہ قتال شروع کرنا جہاد ہے، رسول اللہ ﷺ نے بنو ہوازن سے حنین میں اور طائف کے قلعوں میں محصور ثقیف کے قبیلے سے قتال کا آغاز کیا، نیز غزوۂ مؤتہ اور غزوۂ تبوک کے زریعے رسول اللہ نے رومیوں سے جہاد کی ابتداء کی اور نو (9) سال کے عرصہ میں ستائیس (27) غزوات میں بذاتِ خود شریک ہوئے، اس کے علاوہ متعدد سرایا ارسال فرمائے۔

اجماعِ صحابہ کو دیکھیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ جہاد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کو پھیلانے کیلئے کیا جانے والا قتال ہے اور جہاد قتال میں پہل کرنا ہے۔ اسے ثابت کرنے کیلئے عراق، فارس، شام، مصر، شمالی افریقہ، خراسان، کابل اور سجستان وغیرہ کی فتوحات ہی کافی ہیں۔ مصر کے قبطیوں، افریقہ کے بربر اور دیلمیوں نے مسلمانوں پر حملے نہیں کئے تھے، یہ تمام ممالک صحابہ کرامؓ کے عہد میں فتح ہوئے تھے، صحابہ کرامؓ نے ہی اِن حملوں کا آغاز کیا تھا اور یہ ممالک فتح ہوئے۔ تو کیا اب اس کے بعد اس بات کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ جہاد فقط ایک دفاعی جنگ کا نام ہے؟ اور یہ کہ اسلام میں اقدامی قتال کا کوئی تصور ہی نہیں ہے؟

اختتامیہ

مختصراً تہذیبوں کے درمیان کشمکش اور تصادم ناگزیر ہے، یہی ماضی میں ہوتا رہا یہی آج جاری ہے اور یہی تصادم قیامت کے واقع ہونے سے قبل تک جاری رہے، جو اُن ہی لوگوں پر قائم ہوگی جو بدترین مخلوق ہوں گے۔ لہٰذا اے مسلمانو! اس مکالمے کی پکار کے دھوکے میں نہ آؤ، اس کے داعی وہ لوگ ہیں جو ذلت و رسوائی اور شکست کو فراموش کرنے کیلئے اپنے سروں کو ریت کے اندر چھپا رہے ہیں۔ اس تصادم کیلئے جو تیاری درکار ہے، اس تیاری کو پورا کرو۔ مغربی سرمایہ دارانہ تہذیب نے تمہیں عسکری، سیاسی اور اقتصادی محاذ پر پچھاڑ رکھا ہے۔ لیکن یہ تمہیں فکری اعتبار سے کبھی مغلوب نہیں کر سکے گی کیونکہ تمہارا عقیدہ نہایت قوی ہے اور یہ تمہارے سینوں میں زندہ ہے۔ البتہ تمہاری تہذیب کے بعض افکار و مفاہیم اس عقیدہ سے جدا ہو گئے ہیں اور اِن پر گرد و غبار کی تہہ جم گئی ہے۔ لہٰذا اُٹھو اور کتاب و سنت نبوی ﷺ کی طرف رجوع کے ذریعے اس غبار کو جھاڑ کر اپنے افکار کو خالص کر لو۔ اور خبردار رہو کہ بغیر دلیل کے کوئی بات یونہی نہ قبول کر لو اور نہ ہی کسی مجتہد کے علاوہ اور کسی کے قول کو دلیل کے ساتھ یا جو مجتہد کے حوالہ سے کہہ دیا جائے، اسے قبول کر بیٹھو۔ یہ جاہل امراء کا زمانہ ہے جو علم کے بغیر فتوے دے دیتے ہیں۔ پس خبردار رہو اور ایسے علماء کی تلاش کرو جو باعمل ہیں، مخلص ہیں اور اپنا دین اُن سے حاصل کرو، یہی علماء اندھیروں میں چراغ کی مانند ہیں اور یہ بہت تھوڑے ہیں۔ اور یاد رکھو کہ اس گردش کے

اختتام پر غلبہ اور فتح اسلام اور مسلمانوں ہی کی ہوگی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے قطعی روایات کے ذریعہ ہمیں یہی بشارت دی ہے، اللہ کی اس بشارت پر بھروسہ رکھو اور اپنے لیے ایک ایسے خلیفہ کے تقرر کے کام میں لگ جاؤ، جو تیاری کرے، امت کو یکجا اور متحد کرے، دشمن کو دہشت زدہ اور مرعوب کرے، اسلامی علاقوں کی حفاظت کرے، رعایا میں عدل اور منصفانہ سلوک کرے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُس کے ذریعہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب فرمادے، خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

اے اللہ سبحانہ وتعالیٰ! رسول اللہ ﷺ کی اِس امت کو ایسی ہدایت فرما جس میں تیری رضا شامل ہو اور وہ تیری مدد و نصرت کی اہل بن سکے۔ اے الرحمٰن الرحیم! ہم تجھ ہی سے مانگتے ہیں اور تیری ہی پناہ چاہتے ہیں۔ ہم کمزور وضعیف تیرے در پر کھڑے ہیں، تیرے در پر عاجز وحقیر ہیں، تیری ہی مدد کے محتاج ہیں۔ اپنا وعدہ سچ فرمادے، اپنے دین کو فتح وکامرانی سے ہمکنار فرما دے اور اپنی مدد و نصرت نازل فرمادے۔ ہر حال میں تمام تعریف تیرے ہی لئے ہے۔ (آمین)